رسول اللہ صلعم کے حالات و غزوات، اخلاق و عادات اور تعلیم و ارشاد کا یہ عظیم الشان کتب خانہ
جسکا نام **سیرۃ النبی** عام طور سے مشہور ہے مسلمانوں کے موجودہ ضروریات کو سامنے رکھکر صحت و اہتمام کیساتھ مرتب کیا گیا
اب تک اس کتاب کے پانچ حصے شائع ہو چکے ہیں، پہلے میں ولادت سے لیکر فتح مکہ تک کے
حالات اور غزوات ہیں، اور ابتدا میں ایک نہایت مفصل مقدمہ لکھا گیا ہے جس میں فن سیرت کی تنقید و
تاریخ ہے، دوسرے حصہ میں تکمیلِ دین، تاسیسِ حکومتِ الٰہی، وفات، اخلاق و عادات، اعمال و عبادات
اور اہلبیت کرام کے سوانح کا مفصل بیان ہے،

تیسرے حصہ میں آپکے معجزات و خصائصِ نبوت پر بحث ہے، اس میں سب سے پہلے عقلی حیثیت سے
معجزات پر متعدد اصولی بحثیں لکھی گئی ہیں، پھر اُن معجزات کی تفصیل ہے جو بروایت صحیحہ ثابت ہیں، اس کے بعد ان
معجزات کے متعلق غلط روایات کی تنقید و تفصیل کی گئی ہے، چوتھے حصہ میں ان اسلامی عقائد کی تشریح ہے
جو آپکے ذریعہ مسلمانوں کو تعلیم کئے گئے ہیں کوشش کیگئی ہے کہ ضمن قرآنِ پاک اور احادیث صحیحہ سے اسلام کے صحیح عقائد لکھے جائیں

پانچویں حصہ میں عبادت کی حقیقت عبادات کی تفصیل و تشریح اور اُن کے مصالح و حکم کا بیان ہے اور
دوسرے مذاہب کے عبادات سے اُن کا مقابلہ و موازنہ ہے،

چھٹا حصہ جو اخلاق پر مشتمل ہے اس وقت زیر طبع ہے،

قیمت باختلاف کاغذ حصہ اول تقطیع خورد للعہ، حصہ دوم تقطیع کلاں ۔۔ تقطیع خورد صہ و ۔۔ حصہ سوم
تقطیع کلاں ۔۔ تقطیع خورد صہ و صہ، حصہ چہارم تقطیع کلاں ۔۔ تقطیع خورد صہ و صہ،
حصہ پنجم تقطیع کلاں صہ و للعہ،

(منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ)

جلد ۳۹ | ماہ شوال المکرم ۱۳۵۵ھ مطابق ماہ جنوری ۱۹۳۷ء | عدد ۱

مضامین

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

شذرات

۱۹۳۷ء سے **معارف** کا بائیسواں سال شروع ہوا، ہندوستان کی ناموافق آب و ہوا میں جہاں ہر سال سیکڑوں رسالے پیدا ہوتے اور مرتے ہیں، معارف جیسے بے لطف رسالہ کا اتنے دنوں جی جانا اس کی بڑی کامیابی ہے، لوگ شعر و سخن کے چٹخارے، ادبِ لطیف کے آب و نمک اور بے معنی عبارت آرائی کے مزے کے خوگر ہو گئے ہیں، اس حال میں اگر کچھ ایسے قدردان بھی ہوں جو معارف کے دسترخوان کے روکھے پھیکے کھانوں کو پسند کریں، تو یہ اس کے مہمانوں کا حسنِ اخلاق ہے،

دار المصنفین نے اپنی بائیس برس کی زندگی میں **سیرۃ نبوی** کی پانچ ضخیم جلدوں، اور دوسری بعض تالیفات کو چھوڑ کر جو اس کے سلسلہ سے باہر ہیں ہر علم و فن کی پچاس، اور سلسلہ سے باہر کی کتابوں کو ملا کر ستر کتابیں شائع کی ہیں، یہ فلسفہ، ادب، تاریخ، سوانح اور دوسرے متفرق مضمونوں پر ہیں،

مولانا **شبلی** مرحوم جب شعر العجم لکھ رہے تھے تو ان کو خیال بھی نہ تھا کہ وہ اتنی مقبول ہو گی کہ ایک طرف انگلستان کا سب سے بڑا مستشرق اس سے فائدہ اٹھائے گا، اور دوسری طرف ایران و عجم کے مشتاق اس سے بہرہ مند ہوں گے، شعر العجم کی دو پہلی جلدوں کے فارسی ترجمے پہلے نکل چکے تھے، اب کابل کی مجلسِ ادبی کی طرف سے اس کی تیسری جلد کا فارسی ترجمہ شائع ہوا ہے، اس کے فارسی مترجم سرور خاں گویا خود فارسی ادبیات کے ذوق شناس ہیں، اس لئے اس کا ترجمہ بھی بہت اچھا ہوا ہے، امید ہے کہ "اس قندِ ہندی" سے ایران و کابل کے طوطیانِ سخن "شکر شکنی" کا لطف اٹھائیں گے،

اب افغانستان بھی تالیف و تصنیف کے نئے طرز سے آشنا ہو رہا ہے، اس سلسلہ کی سب سے تازہ مثال **حکیم سنائی** ہے، جس کو خلیل اللہ خاں خلیلی نے تالیف کیا ہے، اور جس میں حکیم موصوف کے سوانح، تصنیفات اور معاصرین کی تحقیق کی ہے، عمدہ ٹائپ میں اچھے کاغذ پر صفائی کے ساتھ چھپی ہے،

دو برس پہلے ایران میں فردوسی کی جو یادگار رسمی منائی گئی تھی، اس میں ہندوستان اور کابل کے بعض اہلِ علم شریک ہوئے تھے، ان میں سے کئی دوستوں کی زبانی یہ سنا کہ خاکسار کی کتاب خیام کی قدر یورپ کے مستشرقوں اور ایران کے ادیبوں نے یکساں کی، اور فرمائش کی گئی کہ اس کا فارسی ترجمہ جلد شائع کیا جائے، اس کے لئے تقاضا تو ایک سال سے تھا، مگر دوبارہ نظر ثانی اور ترمیم و اضافہ کے خیال سے ابھی تک تعمیل نہیں کی گئی، گذشتہ "رمضان" کی فرصت اس "بادہ خوار" کے سوانح پر نظر ثانی کی نذر ہوئی جس نے سرخوش ہو کر کہا تھا،

ماہِ رمضاں برفت و شوال آمد	ہنگامِ نشاط و عیش و قوال آمد

تصحیح اور اضافہ کے بعد اب یہ نسخہ کابل بھیجا جا رہا ہے، امید ہے کہ جلد اس کا ترجمہ بلخ و نیشاپور تک پہنچ جائے جنکو صاحبِ سوانح اپنے قافلۂ عمر کا گذرگاہ سمجھتا تھا،

اب ہندوستان میں بھی خوبصورت ٹائپ میں فارسی کتابوں کی چھپائی کا کام ترقی کر رہا ہے، کئی سال ہوئے کہ سخنورانِ ایران دلی کے جامعہ پریس میں چھپی تھی، اب بمبئی (بھنڈی بازار) میں ابنا شرف الدین

نے عربی و فارسی کے ٹائپ کا جو مطبع قائم کیا ہے، اس میں مولانا جامی کی سلامان وابسال بہت صاف اور خوشخط عمدہ کاغذ پر چھپی ہے، قیمت فیجلد ۱۲/ و قیمت مجلد مطلّا ۱۴/،

سلطان محمد تغلق کے بعد مصر کے بھائیوں کو سب سے پہلی دفعہ اپنے ہندوستان کے مسلمان بھائیوں کا خیال آیا ہے، مصر کے نوجوان مسلمانوں کی انجمن (جمعیۃ الشبان المسلمین) کی طرف سے ہندوستان کے تعلیمی و مذہبی حالات کی تحقیق کے لئے ایک وفد اس مہینہ یہاں آیا ہے، یہ وفد ایک صدر اور چند ممبروں پر مشتمل ہے، صدر حضرت علامہ ابراہیم جبالی، اور ممبر شیخ عبد الوہاب نجار اور شیخ محمد عدوی وغیرہ ہیں، جمعیت کے رئیس ڈاکٹر عبد الحمید سعید کا خط آیا ہے کہ ان بزرگوں کو ہندوستان کے علمی و تعلیمی و مذہبی حالات کے مطالعہ کا موقع دیا جائے اور اتحاد اسلامی کی اس فرصت سے فائدہ اٹھایا جائے،

ایک روسی پروفیسر ڈاکٹر ذکی ولیدی نے، روسی زبان میں اس موضوع پر کہ مشرقی اور مغربی فضلا، مل کر کس طرح اسلامی علوم کی تحقیقات کو ترقی دیسکتے ہیں ایک مضمون لکھا ہے، بھوپال سے ایک دوست نے اسکا اقتباس اصل روسی اور انگریزی کے ترجمہ کیساتھ بھیجا ہے جسکو آپ آیندہ تلخیص میں پڑھیں گے،

اس مضمون میں پہلے سرسید اور مولنا شبلی کا نام ہے، اور اسکے بعد ہمارے دوست ڈاکٹر حمید اللہ (جامعہ عثمانیہ حیدر آباد دکن) کا ذکر ہے، جنکے ان مقالوں پر جو فرانسیسی میں انھوں نے لکھے تھے، بہت تعریف کیساتھ یہ اظہار خیال کیا ہے کہ مذہبیت کیساتھ اسکی تحقیق کا معیار بہت اونچا ہے، ہم اپنے دوست کو انکی اس کامیابی پر مبارکباد دیتے ہیں، اور ان مسلمان یورپ زدہ علمی ڈاکٹروں کے لئے نمونہ پیش کرتے ہیں، جو اپنی کامیابی کا ذریعہ علماے یورپ کی تحقیقات کی اندھی تقلید کو سمجھتے ہیں۔

مقالات

تذکرۂ طاہر

یعنی

سوانح خود نوشت

حسام الملک نواب سیّد محمد علی حسن خاں طاہر مرحوم،

"نواب سید محمد علی حسن خاں مرحوم کی وفات سے جو صدمہ علم و فن کو پہنچا ہے، وہ اہلِ نظر سے پوشیدہ نہیں، مرحوم نے اپنے والد ماجد کی جو مفصل سوانح عمری مآثر صدیقی کے نام سے لکھی ہے، اس کا اخیر حصہ اون کی اولاد اور اولاد کی اولاد کے حال میں لکھا تھا، اس حصہ کو ان کی یہ خود نوشت سوانحمری شائع کیجارہی ہے،

اس میں بہت سے واقعات ایسے ہیں، جو ذاتی حیثیت رکھتے ہیں، مگر اس بنا پر کہ واقعات ماضی کا قلم بند ہو کر محفوظ ہو جانا تاریخ کی ایک خدمت ہے، اسلئے ان کو اپنی جگہ پر قائم رکھا جاتا ہے"،

چونکہ والاجاہ مرحوم کے سلسلۂ اولاد میں یہ عاصی پر معاصی راقم الحروف بھی داخل ہے، اس لحاظ سے کچھ نہ کچھ اپنے حالِ پر ملال کے روزنامۂ سیاہ کا دفتر بھی کھولنا ہے، اگرچہ حیران ہوں کہ لکھوں تو کیا لکھوں، اور بیان کروں تو کیا بیان کروں،

نہ شگوفہ ام نہ برگم نہ درخت سایہ دارم　　همه حیرتم که دهقان بچه کار کشت مارا

حقیقتِ حال تو یہ ہے کہ جب میں اپنی عدمِ صلاحیت، تہیدستیِ علم و عمل، بے بضاعتیِ نقد و نظر بہ بختی وسیہ کاری، خود رفتگی و خود فراموشی پر غور کرتا ہوں، اور ساتھ ہی اسکے جب اپنے انتسابِ ظاہری و نسبی پر نظر ڈالتا ہوں، جو جلیل القدر اسلافِ کرام رضی اللہ تعالیٰ عنہم پر منتہی ہوتا ہے، تو میرے رنج و انفعال کی کوئی حد باقی نہیں رہتی، اور اس خیال سے کہ خداے عز و جل کا یہ ارشاد لیس من اھلك انه عمل غیر صالح کہیں مجھ پر بروزِ جزا صادق نہ آئے، میرا دل لرز جاتا ہے، اور وحشتِ دل سے مضطرب ہو کر بے اختیار پکار اٹھتا ہوں،

چو پرسش گنہم روزِ حشر خواہد بود، تمسکاتِ گناہانِ خلق پارہ کنند،

اللہ تعالیٰ اپنے کلام پاک میں فرماتا ہے ابلی الانسان علی نفسه بصیرة ولوالقی معاذیرہ جو علم انسان کو اپنے نفس کا ہوتا ہے وہ یقین ہے، اور جو علم غیر کو ہوتا ہے، وہ ایک ظنِ خیر یا ظنِ شر سے زیادہ نہیں ہوتا، ولا یزکی علی اللہ احدا ھو اعلم من اتقی، یہ ایک ایسی حقیقتِ واضحہ ہے، جسمیں ذرا شک و شبہہ کی گنجایش نہیں، بایں ہمہ میں نے اعزہ و احباب کے اصرار سے مجبور ہو کر حتی الوسع بلا کم و کاست عرضِ حال کرنے کی کوشش کی ہے، اور اپنے دل کو یوں تسلّی دے کر سمجھا لیا ہے، کہ اگر میرے اس افسانہ لاطائل اور داستانِ حسرت و حرمان سے میرے اعزہ و احباب اور ناظرین کو بجز انقباضِ خاطر اور تکدرِ طبع کچھ حاصل نہو گا، تو کم سے کم سبق عبرت و بصیرت و استغفار و انابت تو حاصل ہو گا، ع

من نہ کردم شما حذر بکنید،

اگر چمنستانِ فضل و کمال اور بہارستانِ علم و ہنر کی گلگشت سے دل کو سرور و فرحت اور وجد و حال پیدا نہ ہو گا، تو بے کمالی اور بے ہنری کی برگ ریزی و پژمردگی اور گلشنِ فضل و کمال کی بربادی و ویرانی ملاحظہ کرنے سے بازیچۂ روزگار کی نیرنگسازیوں کا اور دنیاے ناپائدار کی بے ثباتیوں کا سماں تو آنکھوں کے سامنے پھر جائے گا،

بر رشتہ گرہ می فگنم گر نہ کشایم، بیکار نیم گر روشِ کار ندانم،

ولادت، واقعہ یہ ہے کہ اس کوچہ گردِ غربتکدۂ ہستی، ناآشناے علم و عمل، ناشناسِ اوضاعِ زمان، سرگشتہ وادیِ عصیان و طغیان، الموسوم بہ علی المکنی بہ ابی نصر المتخلص بہ سلیم و طاہر نے چہارم ربیع الثانی ۱۲۸۳ھ / ۱۸۶۶ء روز پنجشنبہ وقت نیم شب خوابِ عدم سے اس ظلمت کدۂ شہود اور دارِ فنا میں بمقام بھوپال آنکھ کھولی اور اپنے آپ کو ایک عجیب حال میں پایا، سب کچھ دیکھا، اور کچھ نہ دیکھا، سب کچھ سنا، اور کچھ نہ سنا، ع

ہمہ خندان بدند و من گریان،

تا نظر بر چمن وضعِ جہاں وا کردم، سیتے بود کہ بر دیدۂ بینا کردم،

نہ چمن بوے بقا داشت نہ گل رنگِ وفا، حیرت آلودہ بہر سوے نظر وا کردم

والا جاہ مرحوم اس نمودِ بے بود سراپا ننگ و عار کی نسبت محبتِ پدری کے جوشِ مسرت میں اپنے فرعوماتِ قلبی اور دلی امیدوں کو کتاب اتحاف النبلاء المتقین میں ان الفاظ کیساتھ ظاہر فرماتے ہیں،

"سعادت آبائی لطفِ طبیعت ذکاے مناسب و حرکاتِ لطیفہ و رقتِ قلب و بشاشتِ چہرہ ہمراہ دارد، حق تعالیٰ را امید دارم کہ از برکات اسمی با جمیع از محدثین و فقہا، کہ باین نام نامور اند، بمراتبِ علیا، از علم و عمل در دنیا و دین فائز گردد، چہ دعاہاست کہ براے او و براے برادرِ کلان او در حرمین محترمین حرسہما اللہ تعالیٰ نہ کردہ ام و قبول و اجابت را راجی بودہ ام،

یا رب این اخترم قمر گردد، بلکہ خورشید باختر گردد،

متحلی بہر حمیدہ شود، صاحبِ خصلتِ گزیدہ شود،

نورِ سنت منورش دارد ظلمتِ بدعتش نیازارد،

یک سرِ موے بر تنش نبود کہ شریعت مزینش نبود،

باد عمرش دراز در طاعت — کہ رود بر درِ تو ہر ساعت،

اخترِ طالعم بہ شامِ امید — مایۂ انبساط چون مہِ عید

ہر چند کہ میں اپنی ذات میں بجز شامتِ اعمال و زلّاتِ اقدام باللہ العظیم کوئی ایک صفت ان صفاتِ مذکورہ میں سے اور کوئی ایک وجہ وجوہِ مزیت و فضیلت میں سے نہیں پاتا، انّ النفسَ لامارۃٌ بالسوء، لیکن حضرت والد محترم مرحوم و مغفور کی تمنّاہائے قلبی و دعاہائے صبحگاہی کا اتنا اثر دنیا میں ضرور پاتا ہوں کہ اللہ تبارک و تعالیٰ نے علومِ کتاب و سنت اور فنونِ دانش و حکمت کا ذوق آشنا بنایا ہے، اور اربابِ علم و معرفت اور اہلِ کمال کی محبت میرے دل میں ڈالکر مجکو ان کی خدمت و اتباع کا شوق بخشا ہے، اور دولت و ثروتِ دنیوی کا بھی کچھ حصہ عطا فرما کر ہنوز بجز اپنی بارگاہ لم یزلی کے مجھ کو کسی دنیادار کے دولت کدۂ جاہ و حشمت کا آستان بوس نہیں بنایا، ولعل اللہ یحدث بعد ذلک امرًا،

ما عجز دشمنیم و حریفان زبوں طلب — اے خونِ ما بہ گردنِ طبعِ غیور ما،

ساتھ ہی اسکے کسی قدر غنائے نفس اور آزادیٔ طبع مرحمت فرما کر ابنائے زمان کی خوشامد احسان کے بارِ گراں سے سبکدوش اور محفوظ و مصئون رکھا،

روزگارے است کہ از غایت بیدادِ درو — نیست ممکن کہ کسے با سروساماں باشد،

چشمِ نیکی ز کہ داریم بہ عہدے کہ درو — گر کسے بد نہ کند غایتِ احساں باشد

خدائے ارحم الراحمین کے فضل و رحمت سے امیدوار ہوں کہ جس طرح اس نے حضرت والد مرحوم کی دعاہائے مخلصانہ کو کچھ نہ کچھ شرفِ قبولیت عطا فرما کر مجھکو دنیا میں اپنے انعام و اکرام سے بالکل محروم رکھنا پسند نہیں کیا، اسی طرح وہ ان دعاؤں کو میرے دمِ واپسیں جب کہ کل تعلقاتِ مادی اور اعمالِ دنیوی منقطع ہو جاتے ہیں، سرمایۂ نجاتِ آخرت کرے، و باللہ التوفیق والیہ المرجع والمآب

گر کرامت عام شد رفت ز برہانِ غدا — در بہ عمل حکم شد وہ کہ چہا دیدنی است

ولادت کے ساتویں روز معمول اہلِ اسلام کے مطابق میرا عقیقہ ہوا، نواب سکندر بیگم صاحبہ خلد نشیں نے بروزِ ولادت پانچ عدد مہر طلائی، اور بروزِ عقیقہ شریکِ تقریبِ مذکور ہو کر ایک عدد مہر طلائی والا جاہ مرحوم کو مرحمت فرمائی،

والد مرحوم نے اپنی کتاب ابقاء المنن میں جن واقعات کا اظہار میرے بیانِ ولادت کے ذیل میں کیا ہے، اگرچہ ان کے نقل کرنے میں میرا دل تامل کرتا ہے کیونکہ ان میں بظاہر ایک قسم کے استحسانِ نفس کا شائبہ لازم آتا ہے، بایں ہمہ چونکہ میں اپنی ذات میں واقعۃً ایک بات بھی ایسی نہیں پاتا، جس پر مجکو استحسان کا وہم و گمان بھی ہو سکے، اس لئے میں حضرت والد محترم کے ان کلماتِ محبت آیات کو محض ان کے خلوصِ شفقت کی ایک دیرینہ یادگار اور اپنے حق میں ایک طرح کی دعائے خیر تصور کر کے برسبیل الشیئ بالشیئ یذکر یہاں نقل کرتا ہوں وہ لکھتے ہیں:-

"میری اولاد میں فرزند صغیر باعتبار دنیا کے سب سے زیادہ خوش نصیب ہے، جس دن سے وہ پیدا ہوا، مجھ پر ابوابِ فتوح مفتوح ہونے لگے، اور ہر طرف سے اسبابِ جاہ و ثروت نے ہجوم کیا، سرکار عالیہ بھی اسی کو دوست رکھتی ہیں، اللہ تعالیٰ اس کو اس آیت کا مصداق کرے، وآتیناہ فی الدنیا حسنۃ وانہ فی الآخرۃ لمن الصالحین"

میں کہتا ہوں کہ اگر فی الواقع ایسا ہوا تو صاف ظاہر ہے، کہ یہ ایک حسنِ اتفاق ہے، اس میں میری پیدایش، اور میری ذات کو مطلق کوئی دخل نہیں، اس وقت مجھ کو عہدِ رسالت کا ایک واقعہ یاد آیا، حضور سرورِ کائنات (فداہ ابی و امی) کے صاحبزادہ حضرت ابراہیمؑ نے جس روز وفات پائی، اسی روز اتفاق سے سورج گرہن واقع ہوا، بعض لوگوں نے کہنا شروع کیا کہ آپ کے فرزندِ دلبند

کے حادثۂ وفات کا ملاءِ اعلیٰ پر بھی اثر پڑا، یہ سورج گرہن اسی کا نتیجہ ہے، یہ خبر جب رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو پہنچی، تو آپ نے صحابہ کو مخاطب فرما کر ارشاد فرمایا، کہ تم لوگ آگاہ ہو جاؤ، کہ کسوف وخسوف کو کسی کی مرگ وزیست سے کوئی تعلق نہیں، یہ دونوں کسوف وخسوف تو آیۃ من آیات اللہ ہیں، اللہ اکبر جب فرزندِ رسولِ خدا کی ذاتِ قدسی صفات کو نظامِ کائنات اور ظہورِ واقعاتِ فطرت میں کوئی دخل نہ ہو، تو ہم جیسے سراپا نامہ سیاہ لوگوں کا وجود کس شمار وقطار میں ہے،

بہرتقدیر جیسا کہ عام قاعدہ ہے، روزِ ولادت سے بدو شعور تک میرا زمانۂ طفولیت کنارِ شفقتِ مادری میں بسر ہوا، مگر اس طرح کہ تمام دنیا کے حالات سے بےخبر فریب خوردہ بچشم ونظر نگار خانۂ ہستی کے تماشائے جمال میں حیران ومضطر نہ اپنے آغاز کا علم نہ انجام کی خبر،

طفلی ودامانِ مادر خوش بہشتے بودہ است ... تا بپائے خود رواں گشتیم وسرگرداں شدیم

کاش اس بہشت کی نعمتوں اور دلفریب لذتوں کی قدر وقیمت ہی کا اسوقت کچھ احساس وادراک ہوتا، مگر ایسے نصیب کہاں تھے، وہ تو ایک خوابِ نوشیں تھا جو چشم زدن میں صبح ہوتے ہی ختم ہو گیا، آنکھ کھلی تو آفتاب سر پر تھا، اور دھوپ کی تپش وتمازت اور اس کی گرم گرم لپٹوں سے دل ودماغ آتشکدۂ آذر بنا ہوا تھا، جب اوس کی یاد آجاتی ہے، تو دل پر ایک عجیب حسرت انگیز واضطراب آمیز کیفیت طاری ہو جاتی ہے، اور دل پہلو کے اندر ہی اندر تڑپ کر رہجاتا ہے، ع

می خندم ومی گریم چون طفل بخواب اندر

عالمِ بےخبری طرفہ بہارے بود است ... حیف صد حیف کہ ما دیر خبردار شدیم،

مکتب نشینی، اس کے بعد گہوارۂ طفولیت سے قدم باہر نکالنے کا وقت آیا، پانچویں شعبان ۱۲۸۷؁ھ مطابق ۱۸۷۰؁ء کو جب میری عمر پانچ سال کی ہوئی، تو طریقۂ قدیم کے مطابق رئیسۂ عالیہ خلد مکان نواب شاہجہان بیگم صاحبہ نور اللہ مرقدہا کے شوکت محل پر تقریب مکتب نشینی کی محفل منعقد ہوئی، میرے نانا منشی جمال الدین

خان بہادر مرحوم مدار المہام ریاست اور مولانا مولوی عبد القیوم صاحب مرحوم جد مولینا محمد اسحاق صاحب مہاجر دہلویؒ کے داماد تھے، اور اعیان وعلمائے پائے تخت شریکِ محفل تھے،

میری تعلیم ابتدا سے نصابِ مروجۂ ہند کے مطابق نہیں ہوئی، اولاً حافظ پیر محمد صاحب مرحوم سے قرآن مجید ناظرہ پڑھا، پھر اپنے نانا مدار المہام صاحب بہادر مرحوم سے ترجمۂ قرآن کریم کے چند سبق پڑھے فارسی کی ابتدائی کتابیں مولوی خلیل الرحمٰن صاحب مرحوم سے (جو بھوپال میں معلّمی کیا کرتے تھے،) پڑھیں، اسی اثنا میں مولینا مولوی محمد احسن صاحب مرحوم بلگرامی مولف کتاب ارتنگ فرہنگ وکارنامۂ فرہنگ واسرار احسن وغیرہ کا غلغلۂ شہرت حضرت والد مرحوم کے سمعِ مبارک تک پہنچا، فی الحقیقت مولوی صاحب ممدوح فنِ تعلیم کے موجد اور استادِ کل اور نظم ونثر فارسی کے ماہرِ کامل تھے، اور شاعر گر کے لقب سے مشہور تھے، یہ ان کی عالمگیر شہرت ہی کی تاثیر تھی، کہ حضرت والد مرحوم نے ان کو حیدرآباد دکن سے خاص میری تعلیم کے لئے طلب کیا، اور جب ان کی محیر العقول بےنظیر قدرت فنِ تعلیم میں ظاہر ہوئی، تو رئیسہ عالیہ نے بھی ان کو اپنے تلمذ کا شرف بخشا، اور ان کے ادب واحترام اور قدر افزائی میں کوئی دقیقہ فرو گذاشت نہیں کیا، ہندوستان میں ان کے تلامذہ کا دائرہ بہت وسیع تھا، بہار وبنگال سے لیکر حیدرآباد دکن تک ان کے شاگرد پھیلے ہوئے تھے، حکیم محمد اسحاق حاذق موہانی مرحوم جن کا فارسی نعتیہ دیوان مدیحۂ نعت کے نام سے چھپ کر شائع ہو چکا ہے، اور محبوب شیر صاحب صولت مرحوم عظیم آبادی جن کا فارسی کلام دیوانِ صولت کے نام سے طبع ہو کر مشتہر ہو چکا ہے، ان کے ارشد تلامذہ میں سے تھے

میں نے کتب فارسی کی تکمیل مولانائے ممدوح ہی سے کی، گلستاں بوستاں سکندر نامہ اُن سے بالاستیعاب پڑھا، قصائد عرفی، سہ نثر ظہوری، شبنم شاداب، رسائل طغرا، قصائد خاقانی رسائل عبد الواسع ہانسوی کا متفرق طور پر ان سے درس لیا، کوئی کتاب ایک جزو دو جزو پڑھی، اور کوئی کتاب محض اپنے زورِ مطالعہ اور کتب لغت ومصطلحات کی مدد سے ان کو پڑھکر سنائی، بقیہ تمام درسی

کتابیں ہوں گی، جن کو اول سے آخر تک میں نے ایک بار نہ پڑھا ہو، بلکہ بعض کا دو دو چار چار بار مطالعہ کیا، اسی دوران تعلیم میں مولانا کے فیض صحبت سے خود بخود میری طبیعت میں شعر و سخن کا ذوق پیدا ہوا، ابتداے عمر سے مجھ کو فارسی زبان کے ساتھ (جو اپنی عذوبت و لطافت میں مشہور خاص و عام ہے) شیفتگی رہی، مجکو خوب یاد ہے، کہ مین نے بیس پچیس برس کی عمر تک کبھی کوئی نظم یا نثر سوائے فارسی کے اردو میں نہیں لکھی، البتہ تذکرۂ شعراے اردو کے جمع و ترتیب کے وقت جو بزم سخن کے نام سے موسوم ہے، میں نے چند اشعار بضرورت اردو میں لکھے تھے،

صرف و نحو کی ابتدائی کتابیں میزان الصرف منشعب، پنج گنج، زبدہ، ضریری، نحو میر، ہدایت النحو، شرح مائۃ عامل، کافیہ، شرح جامی دو چار ورق، مولانا سلامت اللہ صاحب مرحوم جیراجپوری اور مولینا مولوی الٰہی بخش صاحب مرحوم مؤلف تحفۂ شاہجہانی سے پڑھیں،

صدر العلما مولانا مولوی سید ذو الفقار احمد صاحب مرحوم، مولانا مولوی حافظ عبد العزیز صاحب مرحوم بھوپالی، مولانا مولوی عبد الرشید صاحب مرحوم شوبانی کشمیری، مولینا مولوی عبد الباری صاحب مرحوم سہسوانی، مولینا مولوی بدیع الزماں صاحب مرحوم لکھنوی سے مختصرات ادب و تاریخ اور بعض کتب حدیث اور قصائد عربیہ کا اکتساب کیا، اور بعض دواوین کتب سنت و تصوف و رقاق اور مؤلفات والا جاہ مرحوم کو خود حضرت والد محترم سے سبقاً سبقاً پڑھا، مثلاً بلوغ المرام، مشکوٰۃ المصابیح، بخاری شریف کا کچھ حصہ، غنیۃ الطالبین، بغیۃ الرائد، ریاض المرتاض، حظیرۃ القدس، درر البہیہ وغیرہ، حکیم مولوی علی حسین صاحب مرحوم بنگالی سے منطق کے چند ابتدائی رسائل پڑھے، مولینا مولوی حکیم محمد اسحاق صاحب مرحوم لکھنوی (جو ممتاز الدولہ ابو تراب میر عبد الحی خاں صاحب مرحوم و مغفور کے عم بزرگ تھے،) اور حکیم معز الدین خاں مرحوم اور حکیم عبد العلی صاحب مرحوم لکھنوی سے بعض کتب طبیہ کا اکتساب کیا، حکیم معز الدین خاں مرحوم ریاست بھوپال میں افسر الاطبا تھے، اور حکیم عبد العلی صاحب مرحوم لکھنوی جو مشہور و نامور اطبائے لکھنو میں

سے تھے، وہ بھی ریاست بھوپال میں افسر الاطبا کے معزز منصب پر فائز رہے تھے، انگریزی زبان کی بھی چند ابتدائی کتابین یعنی ریڈر وغیرہ حضرت والد محترم کی حکم سے بادل ناخواستہ مختلف اوقات میں ماسٹر منشی حسین خان مرحوم اور ماسٹر فیاض الدین صاحب سے پڑھین، اور بعض کتابیں انگریزی زبان کی محض تفنناً والا جاہ مرحوم کی وفات کے بعد بھی بطور خود ماسٹر عبد الرحمٰن صاحب بی اے علیگ اور ماسٹر بہاری لال صاحب سے پڑھیں، مگر وہ لبستگی انگریزی تعلیم کے ساتھ کسی طرح نہ ہو سکی، چند ماہ کے بعد یہ مشغلہ چھوٹ گیا، دل برداشتگی کا بڑا سبب عام طور پر ملکی بدمذاقی اور عدم احتیاج تھی، اس کے علاوہ اس زمانہ مین کوئی سوسائٹی بھی بھوپال میں ایسی موجود نہ تھی، جس کے سبب سے تعلیم انگریزی سے دلچسپی اور اسکی طرف کشش پیدا ہوتی،

اسی دوران تعلیم مین فنون سپہ گری اور شہسواری کی تعلیم بھی جاری رہی، غلام محبوب خانصاحب مرحوم سے (جو کارخانجات ریاست کے مہتمم تھے،) شہسواری کی، اور سید امیر علی صاحب مرحوم سے بانک بنوٹ اور فنون سپہ گری کی تعلیم پائی، حضرت والد مرحوم اپنی کتاب تاج المکلل میں اسی امر کی طرف اشارہ کر کے صفحہ ۳۰۷ میں لکھتے ہین،

"وقرأ مختصرات العلوم بالفارسیۃ والعربیۃ الی شرح الکافیۃ للجامی واخذ عن جماعۃ من اعیان بلدۃ وغیرہم الواردین بہا یقرء فی ھذہ الایام کتاب جامع الصغیر للسیوطی وتحصیل سائر الحدیث لہ ید طولی فی الفروسیۃ ورکوب الخیل وھمتہ فی تحسین الزی و تجمیل الھیئۃ وتنظیف الدار والمجالس وایثار شان الامارۃ"

مگر سچ یہ ہے کہ ایک فن بھی درجۂ تکمیل تک نہیں پہونچا، اور جو کچھ سیکھا، اور جتنا سیکھا، اس کا بڑا حصہ عالم تغافل اور بے نیازی کے نذر ہو گیا، یہ وہ وقت تھا کہ کبھی مرغزار علوم کی گلگشت کا ولولہ دل میں

اٹھتا تھا، اور کبھی فنونِ سپہ گری کے میدان میں جولانی دکھانے کی خواہش پیدا ہوتی تھی، کبھی دل ایک علم و فن کی طرف مائل ہوتا تھا، اور پھر کچھ دنوں کے بعد کسی دوسرے علم و فن کی طرف رجحانِ خاطر بڑھ جاتا تھا،

صرفت زمانا فی فنون عدیدۃ — وافرغت جهدی والجنون فنون

ولما تجلی الامر انکشف الغطا — تبین لی ان الفنون جنون

گر خوشہ چینِ زلفم وگر دانہ دزدِ خال — چوں مور قحط دیدہ بہ خرمن فتادہ ام

اسبابِ نامساعد کا تعلیم میں حائج ہونا

قطع نظر اس کے سوء اتفاق سے اس زمانہ میں کچھ اسباب ناموافق اس قسم کے میرے گرد و پیش جمع ہو گئے تھے، جن کی وجہ سے حضرت والد محترم کو میری تعلیم کی جانب سے ایک گونہ مایوسی پیدا ہو گئی تھی، اول تو میں پیدائشی نحیف الجثہ واقع ہوا ہوں، اسکے علاوہ زمانہ طفولیت سے میری صحت کبھی اچھی نہیں رہی، اور دسر و نوازل وغیرہ کی شکایت کا کچھ نہ کچھ سلسلہ بچپن سے برابر قائم رہا، اگر دو چار مہینے اچھا بھی رہتا تھا، تو آٹھ دس مہینے بیمار پڑا رہا کرتا تھا ع

زہے بخت مریضِ غم عیادت کو جو آتے تھے — یہ سر رنجورِ بالش تھا، یہ تن بیمار بستر تھا،

والدہ ماجدہ کا فیضانِ علم

اس حالت کا اقتضا، تو یہ تھا، کہ مجھکو ایک حرف بھی نہ آتا، مگر ساتھ ہی اس کے خوش قسمتی سے کچھ اسباب مساعد بھی ایسے موجود تھے، جن کی وجہ سے میری تعلیم میں کسی قدر سہولت پیدا ہو گئی تھی، مجھکو سب سے زیادہ فائدہ میری والدۂ ماجدہ کی علمی قابلیت اور ان کی پاکبازی اور دینداری سے پہنچا، اور حضرت والد محترم کے فیض تربیت و صحبت نے مجھکو ورطۂ جہالت اور ہاویۂ ضلالت سے نکلنے میں بہت بڑی مدد دی اور مولینا مولوی محمد احسن صاحب بلگرامی جیسے فرد کامل اور شفیق استاد کے بے نظیر طریقۂ تعلیم نے مجھ پر اکتسابِ علم کا راستہ بہت کچھ آسان کر دیا،

(باقی)

شاہجہاں کا علمی ذوق

از

جناب سید صباح الدین عبد الرحمٰن صاحب رفیق دار المصنفین

شاہجہاں کی نادرۂ کار تعمیری یادگاریں اس کے ذوق کی نفاست اور لطافت کی بین دلیل ہیں، اسکی تمام تکوینی قوتیں فنونِ لطیفہ کی اسی شاخ پر صرف ہوئیں، اگر ہم بابر کی ذہنی نقش آرائیاں اسکی تزک بابری میں، ہمایوں کی تخئیل آرائیاں اس کے شعر و شاعری میں، اکبر کی علمی فیاضیاں اس کے دربار کی ہنر پرور فضا میں اور جہانگیر کی رنگینیاں اسکی تزک جہانگیری میں پاتے ہیں، تو شاہجہاں کے ذہن کی پرکاریاں، اس کے تختِ طاؤس، قلعہ معلّٰی اور روضۂ تاج کے نقش و نگار سے عیاں ہیں، اسلئے یہ امر موجبِ تعجب نہیں کہ اس نے اپنے باپ یا اپنے لڑکوں دارا اور اورنگ زیب کی طرح کوئی علمی یادگار نہیں چھوڑی، اس کے دماغ کی گل افشانی کاغذ کے صفحات کے بجائے دیوانِ خاص اور دیوانِ عام کی دیواروں پر ہوئی، اس کا حسنِ ذوق علم و ادب کے بجائے جامع مسجد دہلی کی تعمیری ندرت و نفاست میں ظاہر ہوا، اس نے محبت کا ترانہ شعر و شاعری میں نہیں بلکہ تاج میں منظوم کیا،

اسکو بابر، ہمایوں اور جہانگیر کی طرح علمی انہماک نہ تھا، اس لئے ان کی طرح کوئی علمی تصنیف نہیں چھوڑی، لیکن پھر بھی اس کے ذوقِ علمی کا صفحہ دلچسپیوں سے خالی نہیں، اس کے دربار کی علمی فضا، پھر دارا شکوہ، جہان آرا، مراد اور اورنگ زیب کی اعلیٰ تعلیم و تربیت اسکے ذوقِ سلیم کی شہادت ہے،

وہ جب چار برس، چار مہینے اور چار روز کا ہوا، تو خاندانی روایات کے مطابق پڑھنے کے لئے بٹھایا گیا، قاسم بیگ تبریزی، حکیم دوائی گیلانی، شیخ ابوالخیر (برادر علامی ابوالفضل) اور وجیہ الدین گجراتی تعلیم کے لئے مقرر ہوئے، ان باکمال استادوں کی زیر نگرانی شہزادہ خرم نے علوم و فنون کی تکمیل کی خطاطی میں اسکو بڑی مہارت تھی، محمد صالح کنبوہ لاہوری شاہجہان کی تعلیم و تربیت کے سلسلہ میں لکھتا ہے:-

"بے بر نیامد کہ بتفصیل تحصیل فصول ابواب دانش نمودہ در جمیع فنون فضائل دقائق نکتہ فہمی[1] بااعلیٰ درجات کمال رسانید، و در عرض اندک مایہ مدتے بے آنکہ کار ربطول کشد، ہیولائے خط نیز صورت درست پذیرفتہ تختہ مشق از ریختہ قلم مشکین رقمش چوں صفحۂ رخسار نو خطان بحسن خط زینت گرفت[2]"

ان استادوں میں حکیم دوائی گیلانی کی سعی و محنت زیادہ بار آور تھی، چنانچہ شاہجہان کہا کرتا تھا "فی الحقیقت حکیم دوائی آموزگار ماست، و حق تعلیم او بر ما از استادان دیگر بیش است[3]"

تاتار خاں جسکو ترکی لغت کی واقفیت میں اعلیٰ کمال حاصل تھا، شہزادہ کی ترکی زبان کی تعلیم کے لئے مامور تھا[4]، یوں تو اس نے شروع ہی سے اکبر کی سب سے پہلی بیوی خدیجۃ الزمانی رقیہ سلطان بیگم بنت ہندال مرزا کی زیر نگرانی پرورش پائی[5]، جو خالص ترکی زبان بولا کرتی تھی، مگر شاہ جہان کو ترکی بولنے کی کبھی مشق نہیں ہوئی، جہانگیر کہا کرتا تھا، کہ اگر کوئی شخص مجھ سے پوچھے کہ خرم میں کیا عیب ہے تو میں کہوں کہ وہ ترکی زبان نہیں جانتا ہے[6]، وہ ہندوستانی زبان سے بھی واقف تھا،

شاہجہان نے کوئی تصنیف اور نہ رقعات کا مجموعہ چھوڑا، اسلئے اسکی علمی لیاقت کا اندازہ کرنا مشکل ہے، لیکن شاہجہان نامہ میں اس کا ایک رقعہ منقول ہے، جو اس نے تخت نشینی کے بعد دستِ خاص[7]

[1] عمل صالح الموسوم بہ شاہجہان نامہ از محمد صالح کنبوہ، جلد اول صفحہ ۳۱، [2] ایضاً صفحہ ۳۲، [3] ایضاً صفحہ ۳۲، [4] بادشاہ نامہ از عبد الحمید لاہوری جلد اول صفحہ ۶۰، [5] تزک جہانگیری، [6] بادشاہ نامہ از عبد الحمید لاہوری، جلد اول صفحہ ۱۱۳،

سے لکھکر آصف خان یمین الدولہ کے پاس بھیجا، رقعہ حسب ذیل ہے:-

"دانائے رموز سلطنت عظمیٰ، واقف اسرار خلافت کبریٰ، سر خیل یکرنگان وفادار، سلالۂ یکجہتان حق گذار، کارفرمائے سیف و قلم، مدبر امور عالم، زبدۂ خوانین عالیشان قدوۂ امرائے بلند مکان، عضد الخلافت، یمین الدولہ، عمومی بجان برابر آصف خاں، در امان حضرت ملک منان بودہ بدانند، کہ در چہارم گھڑی روز مبارک دوشنبہ بست و ہشتم بہمن ماہ موافق ہشتم جمادی الثانی سنہ ہزار و سی و ہفت ہجری بمبارکی و فیروزی در دار الخلافت اکبر آباد جلوس میمنت مانوس بر تخت سلطنت و سریر خلافت واقع شدہ، و بدستوری کہ معروض داشتہ بودند، لقب را شہاب الدین قرار دادیم، چنانچہ نام مبارک ما را بعنوان شہاب الدین صاحبقران ثانی شاہجہان بادشاہ غازی در خطبہ کہ دریں روز بلند آوازہ گردانیدند، و رواج نمودند، و سکہ بہمیں نام مبارک زدہ شد،

للہ الحمد کہ آں نقش کہ خاطر میخواست

آمد آخر زپس پردۂ تقدیر بروں

امیدواریم کہ اللہ تعالیٰ بادشاہ کل ہندوستان را کہ بمحض کرم خود بما عنایت نمودہ بر بادشاہ شما کہ شریک غالب ایں دولت ابد، مبارک گرداند، و روز بروز فتوحات تازہ و نصرت ہائے بے اندازہ نصیب ما شود و شما ہم بعمر طبعی رسیدہ از دولت ما دولت ہائے عظیم یابید[1]، خدمت پرستخان آخر روز جمعہ رسید و عرضہ داشت شما را گذرانید، و بعرض رسانید، کہ مقرر نمودہ آمد، کہ روز پنجشنبہ بیست و یکم ماہ بہمن از آنجا روانہ شوید و روز جمعہ

[1] شاہجہان نامہ از محمد صالح کنبوہ صفحہ ۲۶۲، و بادشاہ نامہ جلد اول از عبد الحمید لاہوری صفحہ ۱۱۵، شاہجہان کے بعض اور رقعات بھی نظر سے گذرے، لیکن علمی حیثیت سے وہ بلند نہیں ہیں،

چہاردہم ماہ اسفندارمذ بملازمت ما مشرف گردید، ایں معنی چون دلالت بران می نمود کہ زمان دریافت ملازمت نزدیک رسیدہ خوشحال شدیم، قرار داد ایں معنی کہ پادشاہزادۂ کامگار برخوردار را ہمراہ بیاورید، و خواجہ ابوالحسن را در لاہور بگذارید، مستحسن افتادہ، و در روز مبارک جلوس میمنت مانوس پوشیدہ بودیم برائے آن عضد الخلافہ فرستادیم، ہر چند کہ ہر چہ باں عمو عنایت فرمائیم زیادہ ازاں گنجائش دارد، اما بالفعل منصب ہشت ہزاری ذات و ہشت ہزار سوار دو اسپہ سہ اسپہ عنایت نمودیم، و سوائے آن بندر لاہری رابطریق انعام مرحمت فرمودیم، ایں عنایت ہائے ما بر شما مبارک باشد،"

اس عبارت میں جہانگیر کی تزک کی رنگینی اور روانی اور نہ عالمگیر کے رقعات کی سلاست اور برجستگی ہے لیکن پھر بھی اس کا کاتب کوئی معمولی استعداد کا آدمی نہیں معلوم ہوتا،

ایک اور فرمان سے اس کی علمی قابلیت کا اظہار ہوتا ہے، ایک بار کا ذکر ہے کہ شاہجہانی سفرا عراق گئے، تو خلیفۂ سلطان کے وزیر نے ان سے دریافت کیا کہ امام غزالی نے تہافت الفلاسفہ میں قدم علم اور نفی علم واجب تعالیٰ کے مسئلہ میں شیخ ابونصر فارابی اور بوعلی سینا کی تکفیر کی ہے، اس کا جواب کیا ہے؟ شاہجہانی سفرا ہندوستان اور سلطنت تیموریہ کے فضل وکمال کے وقار کو قائم رکھنا ضروری سمجھتے تھے، اسلئے انھوں نے شاہجہان کو اطلاع کی، شاہجہان نے اپنے وزیر نواب سعد اللہ خاں کو حکم دیا کہ ملا عبد الحکیم سیالکوٹی کو لکھو کہ اس کے متعلق دس پندرہ دن میں ایک رسالہ لکھکر پیش کریں، کہ عراق کو بھیجا جائے، چنانچہ سعد اللہ خاں نے ایک فرمان صادر کیا، جس میں لکھا، کہ

"بکترین مریدان حکم شد کہ باں فضائل و کمالات دستگاہ سطرے چند بنگارد، و بران آرد کہ ان افادت و افاضت مرتبت را دریں مسائل مختصر جامع مفیدے کہ متجمع کلمات

حکمات حکما و تاویلات علما، و وجہ تکفیر اسلامیین و اقوال طبیین، و مباحثات و مناظرات و شکوک و شبہات و ازالات و اخراجات و اسولہ و اجوبہ و غایۃ تدقیقات و نہایت تحقیقات و اصل کلام در ہر باب و اساس سخن در ہر جواب و آن چہ دراں ظفر یافتہ باشند و برہان بران فائدہ شدہ باشد، و احاطۂ مسائل متعلقہ بمطلب علم از حصولی و حضوری بود و علم و عین عالم و عین معلوم است، یا غیر او و تعلق آن بجزئیات بوجہ کلی است یا بوجہ جزئی، و تحریر آنکہ کلیۃ و جزئیہ معلوم، تابع مدرک و یا تابع مدرک است و نسبۃ الواجب جزئی ست یا نہ، و بیان آنکہ ادراک تعقلی است، نہ احساسی،.....الخ"

ایک صاحب نظر کا خیال ہے کہ یہ جملے شاہجہاں کے بتائے ہوئے تھے، چنانچہ عبارت ہذا پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں، کہ "شاہ جہاں کی علمی قابلیت کا یہ نمونہ ہے، کہ اس نے اس مسئلہ میں جن امور پر رسالہ لکھوانا چاہا ہے، اسکو چند جملوں میں ادا کر دیا،" آگے چل کر پھر لکھتے ہیں، کہ "سعد اللہ خان کی علمی استعداد تو مشہور ہی ہے، لیکن شاہجہاں کی علمی فضیلت بھی اس فرمان سے ظاہر ہوتا ہے، کہ کچھ کم نہ تھی، ظاہر ہے کہ جو شخص کسی علم و فن سے واقف نہ ہو وہ کیا اسکو سمجھ سکتا ہے"[1]

شاہجہان کی علمی لیاقت کا حال ان حکیمانہ اور عالمانہ باتون سے بھی معلوم ہوتا ہے، جو وہ اپنے درباریون سے کہا کرتا تھا، ایک بار اہل دربار نے کہا کہ ایک صوبہ کا دیوان اپنی ریاست کے اظہار اور جزرسی کے لئے لوگوں کے حق میں سختیاں کرتا ہے، اسکے جواب میں شاہجہان نے جو نکتہ آفرین باتیں کیں، وہ ایک ہمعصر مورخ کے الفاظ میں سننے کے لائق ہیں،

"دلبست و نہم ماہ کہ دانشوران و سخن سنجان پائے تخت ہمایون بخت در انجمن حضور سراسر نور برطبق دستور معہود سعادت بار دریافتہ شرف قرار داشتند، و از ہر جا سخن سر شدہ از ہر در

[1] دیکھو معارف نمبر ۴ جلد ۱۰،

گفت وگو درمیان بود، اتفاقاً بتقریب ذکر روش سلوک یکے از متصدیان شغل دیوانی صوبجات مذکور شد کہ آن دشوار معاملہ بغایت عرصۂ کار بر مردم تنگ کردہ و مہمات سخت گرفتہ، آنحضرت فرمودند کہ این معنی موافق آئین کارگذاری نیست، چہ سخت گرفتن کارہا و تنگ کردن ساحت امور باعث آن می شود کہ سستی و فتور در اساس پیشرفت کارہا افتد و عرصۂ ملک برفتنہ و فتنہ گران فراخ گردد، چنانچہ در عہدِ ولایت حضرت امیر المومنین علی کرم اللہ وجہہ باوجود آنکہ حضرت خلیفۂ محق و امام مطلق بودہ بر وفق قول حضرت رسالت صلی اللہ علیہ وآلہ واصحابہ کار فرمائے برحق و باحق بودند، اصلا کار موافق مدعاے آنحضرت پیش نرفت؛ چہ آنحضرت در ہیچ امرے از امور دنیا و دین دقیقہ واری تجویز مسامحہ نفرمودہ یک لمحہ مسامحہ روا نمی داشتند، و اہلِ دنیا کہ نقطہ مقابلِ دین و طرف آخرت بل فی نفسہا باطل مطلق است، طالبان ... رشتا فتند و تحریک سلسلۂ فساد نمودہ فتنہا برانگیختند"[1]

اسی اثنا میں سید جلال بخاری نے شاہجہان کے ایک ارشاد عالی کا حوالہ دیا کہ دنیا دو پاؤں پر قائم ہے، ایک حق دوسرا باطل، لیکن اس نے کہا کہ میں چاہتا ہوں کہ حق پر قائم ہو، اس پر شاہجہان نے جو تقریر کی، وہ بہت ہی بصیرت افروز ہے، عملِ صالح میں ہے کہ

حضرت بادشاہ حقائق آگاہ کہ طبع اقدس دقیقہ رس آنحضرت بکار فرمای حدت ناخن دریافت از ہیچ نکتہ بے تفتیش نمی گذرد، فرمودند کہ دریں مقام جاے ایستادگی خرد است ازین کلام فیض نظام چنان لازم می آید، کہ از وقت آنحضرت گرفتہ تا مبدء فطرت ابو البشر علیہ السلام احیاناً پاے باطل نیز درمیان بودہ باشد، وحاشا کہ آنحضرت را ازاں کلام این معنی منظور بود، دریں وقت چندے از فیض یابان حضور پر نور آن را بتاویلات دور و

[1] عمل صالح جلد دوم، صفحہ ۲۳۲۔

دراز ظاہر نمودند، چنانچہ ہیچ کدام دلنشیں و خاطر نشان نیامد و در آخر کار خود فرمودند کہ این کلام را بریں وجہ تاویل باید نمود، کہ در عہد برکت آئین حضرت خادم النبیین مدار برحق محض بودہ بپیش رفتن امور دران حال بنا بر آن بودہ کہ بمیامن وجود مسعود آن موئید بتائید آسمانی اہل آن زمان راستی و درستی و حق پژوہی و حقیقت طلبی دیگر داشتند، و دلہاے ہمگنان در آن محل باوجود صفوت جبلی و صفای فطرت از پرتو صیقل مواعظ و نصائح آنحضرت جلا و صفائی کلی پذیرفتہ خلاف حق و صدق بران قرار نمی گرفت بلکہ بطلان و ناصواب دران راہ نمی یافت، لہذا تنسیق امور بر وفقِ نفس الامر میسر می شد و حق مطلق کما ینبغی از پیش می رفت، و بریں قیاس در زمان حضرت خلفاے راشدین کہ بمقتضاے قرب عہد رسالت معاینہ مانند ساعت بعد از غروب آفتاب کہ بتاثیر پرتو آن دمی چند اثر فروغ باقیست در رفتہ رفتہ بظلمت می گراید، بواطن اہلِ آن زمان نیز ہنوز از یمن تاثیر نیر اعظم اوجِ نبوت نورانی بودہ زنگ غفلت بر آن دست نیافتہ بود، و چون تبدریج احوالِ زمانیان دگرگون شدہ، یکبارگی بعد مطلق از عہد آنحضرت درمابین اتفاق افتادہ زنگار ظلمت بر قلوب ابناے روزگار استیلا گرفت، چنانچہ کار بجاے رسیدہ کہ ظلمت پیشگان ظلمت سرشت اطفاے نور وجود خلیفۂ برحق اعنی حضرت ذوالنورین نمودند، در خلال این حال خلل درمیان استقامت حق و حقیقت راہ یافتہ اقامتِ دنیا بر پاے حق دست نداد، و ازیں رو حضرت امیر را این معنی کہ مطلوب آنحضرت افتادہ بود، میسر نہ شد و قرار داد خاطر عاطر آن سرور حق پرور صورت نہ بست چون این توجیہ وجیہ بسبب تدقیق آنحضرت رو نمود ہمگنان از برکت غور و خوض آن خسرو عقیدت اندیش دقیقہ یاب بکنہ این دقیقہ رسیدند و باتفاق کلمہ اقرار نمودند کہ این کلام را بہتر ازین تاویلے

نمی توان کرد"؎

ایک اور علمی مجلس میں شاہجہان کی نکتہ آفرینیاں ملاحظہ ہوں:-

"چہارم آذر کہ محفل ارم آئین، بوجود دانشوران ہر کشور محفوف بود و ہر یک بقدر مبلغ علم خود در سائر ابواب ہر فن سخنے می گفت، و بادشاہ حکیم مشرب حکمت پژوہ کہ پیوستہ در پے تحقیق و تفتیش لوامع حکم و جوامع کلم اند در ہر باب مدخل نمودہ، از ہر در گفتگو می فرمودند، تا سر رشتۂ سخن باحوال ملوک حکما، و اوضاع حکما ملوک کشید، دریں اثنا یمین الدولہ کہ ارسطوے عہد و آصف سلیمان زمان است مبالغۂ ستایش و ثنائے سکندر بدیں مبلغ رسانید، کہ دریں مدت متمادی ہیچ فردی از افراد ذوی العقول بر قول و فعل آں بادشاہ راست گفتار درست کردار گرفت ننمودہ، بل مبادی راہ دخل نپیمودہ، حضرت خلافت مرتبت فرمودند، کہ چوں نبوت سکندر فیلقوس رومی بدرجۂ ثبوت نہ رسیدہ و بنابر قول محققین ائمۂ تاریخ اسکندر ذوی القرنین دیگرست مارا بدستورے ادب در سخن بر گفتار و کردار اوست، نخست آنکہ بجواب رسول دارا در باب طلب بیضہاے طلا کہ پدرش فیلقوس ہر سالہ برسم خراج می داد چنیں گفت، ع

شد آں مرغ کو خایۂ زریں نہاد،

چنانچہ در تواریخ معتبرہ و کتب اخبار و سیر مذکور است و در افواہ و السنہ بر سبیل تواتر مشہور و ایں سخن نسبت بہ پدر کمال سوء ادب دارد، چہ ماکیان جانوریست بغایت فرومایہ دنی ہذا بیضہ نہادن مستلزم انوثیت، دوم ترک طریقۂ حزم و احتیاط نمودن و در لباس رسالت بہ مجلس نوشابہ رفتن، و ایں شیوہ از طریقۂ خرد منداں دور است،

؎ عمل صالح جلد دوم ص ۲۲۴،

چہ دانا از ارتکاب امرے کہ پشیمانی بار آورد و چارہ پذیر نباشد ہرگز نمی نماید، حاضران مجلس بشکرانۂ اتفاق پوشیدن خلعت وجود، در عہد سعادت مہد ایں بادشاہ زبان بسپاس جہاں آفریں کشودہ آنگاہ فراخور فسحت دستگاہ سخن ستایش ایں سخنان حکمت آمیز و بسط دعاے ازدیاد دین و دولت بجا آوردند"؎

شاہجہاں، اپنے گوناگوں مشاغل کے باوجود روزانہ کتابوں کا مطالعہ جاری رکھتا تھا، جب تمام کاموں سے فارغ ہو کر رات کو سونے جاتا، تو اس کے مقربان خاص پردہ کے پیچھے سے کتابیں پڑھتے تھے، جو زیادہ تر انبیاء، اولیاء، و سلاطین کی سوانح عمریاں اور تاریخیں ہوتیں، وہ ظفر نامہ اور واقعات بابری کو بہت پسند کرتا تھا،؎

اس کا خاندان خود علم و ادب کا گہوارہ تھا،؎ اس کے دربار میں علمی وقار و شوکت دیرینہ روایات کیساتھ قائم رہی، وہ اہل علم و فضل کو کن نظروں سے دیکھا کرتا تھا، یہ ذیل کے پند و نصائح سے معلوم ہوگا، جو اس نے بیاض خاص میں لکھ رکھی تھیں،

"رو ندادن بمردم بد، نرنجیدن بعدم حصول مقصد، نرنجانیدن مردم خوب مزاج، وخواستن بکمال احتیاج بصحبت داشتن باہل معاد جستجو کردن قابلان باستعداد، باز ندادن پیش خود بمردم جہاں، دادن بارباب استحقاق بقدر توفیق بیش از سوال، بکرم داشتن اہل فضل، معروف نمودن مزاج بعدل میل نکردن باقوال غیر عقائد بے خبر نبودن از احوال متوکلان بے مکان غنیمت دانستن وجود یگانگان کہ بیگانہ از خلق باشند، پیش داشتن جمیعکہ مصالح امور دنیا و عقبیٰ بودند"

؎ عمل صالح حصہ اول ص ۵۱۵، ۵۱۴، ؎ بادشاہ نامہ جلد اول ص ۱۵۳، ؎ شاہجہاں کی اولاد کی علم نوازی کا حال ہم تیموری شہزادوں اور شہزادیوں کے علمی ذوق کے سلسلے میں لکھینگے،

یہ نکات علمی اور عملی حیثیت سے کسقدر بصیرت افروز ہیں، عالمگیر نے ان کو شاہجہاں کی بیاض سے نقل کرکے اپنے فرزند عالیجاہ شاہزادہ معظم کو از روے نصیحت لکھ بھیجا تھا[1]،

شعراء | شاہی دربار میں شعراء و فضلاء کی ایک کثیر تعداد تھی، جو شاہجہاں کے جود و سخا سے فیضیاب ہوا کرتی تھی، لطف اللہ مہندس[2] نے جو داراشکوہ کے مقربانِ خاص میں تھا، شاہجہانی شعراء کے نام حسبِ ذیل اشعار میں نظم کئے ہیں،

وحید دہر امانی بن مہابت خان — ولے بخان زمان است شہرۂ دوران

دگر یگانہ ظفر خان تخلص احسن — ربودہ گوے سخن از سخنوراں در فن

دگر وحید زمن آشنا عنایت خان — بود بحر سخن آشنا عنایت خان

دگر وحید زمن شادمان غم پرور — بیانِ شادی و غم در کلام او مضمر

دگر سخنور کشمیر محسن فانی است — بقاے نام وے از دولتِ سخندانی است

مہ سپہر سیادت یگانہ میر عماد — کہ بود در غزل و مدح و مثنوی استاد

لبیب عصر محمد حسین آشوب است — سخنورے کہ سخنہاش جملہ مرغوب است

دگر وحید زمان ست طالبائے کلیم — کہ شعر او ید بیضا است نزد طبع سلیم

دگر فرید جہاں قدسی محمد خان — بعہد شاہجہاں گو ربودہ از اقران

الٰہی ہمدانی است در سخن استاد — سخنورے است کہ داد سخنوری می داد

لبیب از منہ آگہی نخواندہ ہیچ کتاب — ز فیض حق شدہ مفتوح بر رخش صد باب

[1] وقائع عالمگیری مرتبہ چودھری نبی احمد سندیلوی، [2] لطف اللہ مہندس کے مزید حالات کے لئے دیکھو مضمون "تاج محل، اور لال قلعہ کے معمار" از علامہ سید سلیمان صاحب ندوی معارف فروری و مارچ و اپریل ۱۹۳۶ء،

دگر وحید زمن باقیا ترانہ او — خوش ست ہمچو غزلہاے عاشقانہ او

فصیحِ از منہ فتحا کہ چوں غزل می گفت — چو عندلیب غزلخواں در و گہری سفت[1]

اس چمنستانِ شعراء کا گل سرسبد ابو طالب کلیم تھا، کلیم کاشان کا رہنے والا تھا، جہانگیر کے عہدِ حکومت میں ہندوستان آیا، لیکن ۱۰۲۸ھ میں وطن واپس چلا گیا، پھر ہندوستان آیا، جہانگیر کے دربار میں ملک الشعراء طالب آملی کے مقابلہ میں اسکو فروغ نہ ہوا، لیکن شاہجہاں کے عہد میں کلیم کا کلام شعلۂ طور بن کر چمکا، شاہجہاں کے دربار سے ملک الشعراء کا خطاب ملا، ۱۰۴۴ھ میں جب شاہجہاں نے ایک کروڑ روپیہ کی لاگت سے تختِ طاؤس تیار کرایا، اور آگرہ میں جشن نوروز کے دن اس پر جلوس کی رسم ادا کی، تو کلیم نے ایک قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ تھا،

خجستہ مقدم نوروز غرۂ شوال — نشاندہ اند چہ گلہاے عیش بر سر سال

شاہجہاں کو یہ قصیدہ اس قدر پسند آیا، کہ کلیم کو اس کے صلہ میں روپے کے برابر تلوایا، جو ۵۵۰۰ روپیے وزن میں آئے، اور اسکو عطا کئے[2]، ۱۰۴۸ھ میں جشن وزن شمسی کے موقع پر شاہی خزانہ سے کلیم کو کچھ اشعار کے صلہ میں ایک ہزار روپے ملے[3]، ۱۰۴۹ھ میں کلیم شاہجہاں کے ساتھ کشمیر گیا، اس جگہ کی دلآویزیوں اور رنگینیوں کو دیکھ کر وہاں کا فریفتہ ہو گیا، بادشاہ سے وہاں قیام کی اجازت چاہی، جو منظور ہوئی، یہیں بیٹھ کر فتوحاتِ شاہی منظوم کرتا تھا، جس کے لئے کلیم کو سالانہ وظیفہ ملتا تھا، ۱۰۵۵ھ میں شاہجہاں پھر کشمیر گیا، تو کلیم نے تہنیت کا قصیدہ لکھ کر پیش کیا جس کے انعام میں خلعت اور دو سو اشرفیاں پائیں، شاہجہاں جب واپس ہونے لگا، تو کلیم نے پھر ایک قصیدہ کہا، اور دو سو

[1] دیکھو مضمون ہذا و فہرست کتب خانہ شاہ اودھ از ڈاکٹر اسپرنگر ص ۱۱۶، [2] بادشاہ نامہ حصہ دوم ص ۵۳ نیز مآثر الکرام دفتر ثانی، از غلام علی آزاد بلگرامی ص ۸۷، مطبع مفید عام آگرہ و شعر العجم حصہ سوم از مولینا شبلی ص ۲۰۸، [3] بادشاہ نامہ جلد اول ص ۱۳۴،

اشرفیاں پر انعام میں ملیں،[۱]

قدسی کلیم کا مد مقابل شاعر حاجی محمد جان قدسی تھا، مشہد کا رہنے والا تھا، مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں تعلیم پا کر ہندوستان آیا، خواجہ عبد اللہ خان بن خواجہ ہارون کی مدح میں جو ہفت ہزاری منصب کا شاہجہانی امیر تھا، ایک قصیدہ کہا، عبد اللہ خاں سفر میں جا رہا تھا، اسی حالت میں قدسی نے قصیدہ پڑھا، عبد اللہ خان اس قصیدہ سے اسقدر متاثر اور محظوظ ہوا، کہ اپنی مسند سے اٹھ گیا، اور اسکو اپنی جگہ پر بٹھایا، پھر باہر نکل کر اپنا خیمہ اس کے تمام متعلقات اور لشکر کے تمام جانور انعام میں اسکے حوالہ کر دیے[۲]

۱۰۴۲ھ میں شاہجہان کی خدمت میں حاضر ہوا، اور ایک قصیدہ کہا جس کا مطلع یہ تھا،

ای قلم بر خود ببال از شادی و بکشا زباں در ثنای قبلۂ دیں ثانی صاحبقراں[۳]

اس صلہ میں شاہجہان نے قدسی کے منہ کو سات دفعہ جواہرات سے بھرا،[۴] اور اسکو دربار سے منسلک کر لیا، جہاں اسکو روزانہ وظیفہ ملا کرتا تھا، آگے چل کر ملک الشعراء ہوا، ۱۰۴۵ھ میں اُس نے جشن نوروز کے موقع پر ایک قصیدہ لکھا، جو شاہجہان نے بہت پسند کیا، اس کے انعام میں اسکو روپے میں تلوایا، جو طالب کلیم کے وزن کی طرح ۵۵۰۰ ہوئے،[۵] ۱۰۴۹ھ میں قدسی کو کچھ اشعار کے صلہ میں سو اشرفیاں مرحمت ہوئیں، جہاں آرا بیگم کی صحت یابی کے موقع پر قدسی نے ایک قصیدہ کہا، تو شاہجہان نے دو ہزار روپے عطا کئے،[۶]

[۱] بادشاہ نامہ جلد دوم ص۶۹۲، نیز شعر العجم حصہ سوم و مآثر الکرام دفتر ثانی ص۸۰۷، [۲] مرأۃ الخیال ص ۱۳۷، [۳] عمل صالح حصہ دوم ص ۵۰۸ پر پورا قصیدہ منقول ہے، [۴] مرأۃ الخیال ص ۱۳۷، [۵] بادشاہ نامہ جلد اول حصہ دوم ۴۰۲، [۶] عمل صالح حصہ دوم ص۳۱۸، شیر خان مرأۃ الخیال میں لکھتا ہے، کہ "حاجی محمد جان قصیدہ رنگین در مدح صاحبقران ثانی گفتہ بعرض رسانید پادشاہ اقسام جواہر قیمتی طلبیدہ فرمود تا ہفت بار دہانش ازان پر کردند" معلوم نہیں کونسے موقع پر یہ قصیدہ کہا گیا تھا

قدسی کا انتقال ۱۰۵۶ھ میں ہوا، طالب کلیم نے ایک مرثیہ لکھا، جس کے ایک ترکیب بند سے تاریخ نکلتی تھی، ع

دور از ان بلبل قدسی چمنم زندان شد
۱۰۵۶

احسن، مرزا احسن اللہ نام اور احسن تخلص تھا، خواجہ ابو الحسن تربتی کا لڑکا تھا، خواجہ ابو الحسن خراسان سے اکبر کے زمانہ میں ہندوستان آیا، شاہزادہ دانیال اور دکن کا وزیر مقرر ہوا، جہانگیر کے زمانہ میں وزارت کے عہدۂ اعلیٰ پر مامور رہا، شاہجہاں کے زمانہ میں شش ہزاری و شش ہزار سوار کا منصب اور کشمیر کا علاقہ عطا ہوا،[۱] باپ کے مرنے کے بعد احسن اللہ عنایتِ شاہانہ سے مستفیض ہوا، کشمیر میں باپ کا جانشین ہوا، ظفر خاں خطاب ملا، ظفر خاں نہایت فیاض اور قدر دانِ علم و فن تھا، خود ایک بلند پایہ شاعر بھی تھا، مرزا صائب کا شاگرد تھا، مگر اس کے کلام پر استادانہ نکتہ چینیاں کرتا تھا، مرزا صائب اسکی سخندانی کا بہت مداح تھا،[۲] وہ صاحبِ دیوان بھی تھا،[۳]

آشنا، مرزا محمد طاہر نام، عنایت خاں شاہی خطاب اور آشنا تخلص تھا، ظفر خان کا لڑکا تھا، شاعری کا ذوق باپ سے وراثت میں پایا تھا شاہجہاں کا ندیم خاص تھا،[۴] اسکے عہد کی تیس سالہ تاریخ بھی لکھی،[۵] شاہجہان کی طرف سے اسکو ہزار و پانصدی کا منصب عطا ہوا تھا،[۶]

باقیائی، شاہجہانی دربار کا ایک مقبول شاعر تھا، ۱۰۴۶ھ میں جشن نوروز کی تہنیت میں ایک قصیدہ کہا جس کے صلہ میں شاہجہان نے اسکو روپیہ میں تلوایا، جو ۵ ہزار کے برابر ہوا،[۷]

[۱] مآثر الامراء حصہ اول ص۲۳۶، [۲] شعر العجم حصہ سوم، [۳] مآثر الکرام ص۱۵۹، [۴] ایلیٹ جلد ہشتم ص۷۳، [۵] ریو، مآثر الامراء جلد ۲ ص۸۶۲، [۶] عمل صالح میں باقیائی کے بارے میں ہے، "سخنورے طبع روان دارد، و در تصنیف و تالیف نغمات بروش موسیقار یونان و فرس بے نہایت ماہر است و تصانیف خود را کہ بر دفق ریختہ، طرز امیر خسرو، و نغمۂ ہوش ربائے ہندی آمیختہ لہذا بغایت مرغوب و مطبوع مسامع و طبائع افتادہ، حصہ دوم ص۲۳۰،

لطف اللہ کے گنائے ہوئے شعرا میں امانی ابن مہابت خاں، شادماں، فانی، عماد، آشوب، الہی
ہمدانی، امی، فتح کے حالات میری نظر سے مختلف تذکروں میں نہیں گذرے،

ان کے علاوہ بہت سے اور شعرا بارگاہ شاہجہانی سے منسلک تھے، ان میں سب سے پہلے مرزا
صائب پر نظر پڑتی ہے، جس کے بارے میں مولینا شبلی کا خیال ہے، کہ "ایران میں شاعری رودکی سے شروع
ہوئی، اور مرزا صائب پر ختم ہوگئی" میرزا صائب کا مولد تبریز تھا تعلیم و تربیت اصفہان میں حاصل کی جہانگیر کے
آخر عہد میں ہندوستان آیا، خواجہ ابوالحسن تربتی کی فیاضیوں سے سیراب ہوا، شاہجہاں جب تخت پر بیٹھا، تو
ایک تاریخی قطعہ لکھ کر بارہ ہزار روپیے صلے میں حاصل کئے،

شاہجہاں کی طرف سے مرزا صائب کو ہزاری منصب اور مستعد خاں کا خطاب بھی ملا تھا، میرزا صائب
کا تعلق زیادہ تر خواجہ ظفر خاں احسن کے ساتھ رہا جس کی مدح میں اس نے متعدد قصائد لکھے، میرزا کو اکی
مداحی پر ناز تھا، ۱۰۴۲ھ میں صائب مشہد مقدس کی زیارت کو جانا چاہتا تھا، تو شاہجہاں نے زاد سفر کے لئے
پانچہزار روپیے عنایت کئے[۱]

شیدا، ایک بہت ہی ذہین رسا شاعر تھا، بدیہہ گوئی میں کمال رکھتا تھا، حاجی محمد خاں قدسی
کے ایک قصیدہ پر قصیدہ لکھ کر اعتراض کیا، جو بہت مقبول ہوا، طالب آملی اور میرالہی کی ہجو کہی، ہجوگوئی
میں بڑی مہارت رکھتا تھا، پہلے عبدالرحیم خانخاناں کی زرپاشیوں سے سیراب ہوتا رہا، پھر شہزادہ
شہریار کے آستانہ کا جبیں سا ہوا، آخر میں شاہجہاں کے دربار میں باریابی حاصل کی، ایک بار شاہجہاں
کے حضور میں ایک مطلع پڑھا،

چہ بیت دانی بادۂ گلگوں مصفا جوہرے
حسن را پروردگارے عشق را پیغمبرے

[۱] مرزا صائب کے حالات اور شاعری کی تفصیل کے لئے دیکھو شعر العجم حصہ سوم، و مآثر الکرام دفتر ثانی صفحہ ۱۹۵-۱۹۹،

اس شعر کو سن کر شاہجہاں بہت ہی غضب ناک ہوا، حکم دیا، کہ اس کو فوراً شہر بدر کر دیا جائے لیکن
شیدا نے فوراً معذرت میں ایک قطعہ لکھا، اور اپنی برأت کیلئے جامی کا مندرجہ ذیل شعر استشہاد میں پیش کیا،

بپیش جامی بہ از چہار قل است،
از صراحی دو بار قلقل مے،

شاہجہاں کا غصہ فرو ہوگیا[۲]

اسی قسم کا ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے، چندربھان برہمن جو داراشکوہ کا میرمنشی تھا، عالم فاضل
اور صوفیانہ اشعار اچھے کہتا تھا، شاہزادہ داراشکوہ کے مزاج میں اسکو بہت دخل تھا، ایک بار شاہزادہ
موصوف نے بارگاہ شاہی میں برہمن کے ایک شعر کی تعریف کی، اور شاہجہاں سے بھی سننے کی درخواست کی،
برہمن طلب کیا گیا، تو اس نے شعر عرض کیا کہ

مرا دلیست بکفر آشنا کہ چندیں بار،
بہ کعبہ بردم و بازش برہمن آوردم،

شاہجہاں کو یہ بیت سن کر غصہ آیا، مگر سعد اللہ خاں وزیر اعظم نے عرض کیا، کہ گیتی پناہ، حضرت
شیخ سعدی چار سو برس پہلے اس کے جواب میں فرما گئے ہیں کہ

خر عیسیٰ اگر بہ مکہ رود،
چوں بیاید ہنوز خر باشد،

شاہجہاں ہنس پڑا[۳]

میرالہی و میر یحییٰ کاشی بھی شاہجہانی دربار سے تعلق رکھتے تھے، میرالہی اصفہان سے اکر شاہی
دربار میں ملازم ہوئے ۱۰۶۴ھ میں انتقال ہوا، تو غنی کشمیری نے یہ تاریخ کہی ع:-

برد الہی زجہان گوے سخن،

۱۰۵۸ھ میں جب دارالخلافہ شاہجہاں آباد کی تعمیر ساٹھ لاکھ روپیہ کے خرچ سے تکمیل ہوئی، تو میر یحییٰ
گذ

[۱] مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۸۲، و مرأۃ الخیال ص ۱۴۸-۴۹، [۲] مخزن الغرائب قلمی نسخہ دار المصنفین اعظم
[۳] مآثر الکرام دفتر ثانی ص ۸۵،

نے یہ تاریخ کہی ع

شد شاہجہان آباد از شاہ جہاں آباد،
۱۰۵۸

شاہجہاں نے ایک ہزار روپیہ انعام میں دیا[1] اور ایک موقع پر شاہجہاں نے اسکو سو اشرفیاں بطور انعام عنایت کی تھیں،[2]

میر رضی بن میر ابو تراب **دانش** رضوی مشہدی کو شاہجہانی دربار میں باریابی حاصل تھی ۱۰۶۵ھ میں شاہجہاں کی مدح میں ایک قصیدہ کہا جسکا مطلع یہ تھا،

بجواں بلند کہ تفسیر آیہ کرم است	خطے کہ از کف دست مبارکش پیداست

شاہجہاں نے اس پر دو ہزار روپے عنایت کئے،[3]

مسیح حکیم رکن کاشی، ایک عیسیٰ نفس شاعر تھا، جو اکبر کے زمانہ میں ہندوستان آیا، جہانگیر کے دربار سے بھی منسلک رہا، شاہجہاں کی تخت نشینی کے موقع پر یہ تاریخ کہی،

بادشاہ زمانہ شاہجہاں	خرم و شاد و کامراں باشد
بہر سال جلوس او گفتم،	در جہاں باد تا جہاں باشد

شاہجہان نے اس صلہ میں دو ہزار روپے عطا کئے، ۱۰۴۱ھ میں مشہد مقدس کی زیارت کو گیا، تو رخصت کرتے وقت شاہجہاں نے خلعت اور پانچ ہزار روپے دیئے،[4]

دو اور شاعر قابل ذکر ہیں،

میرزا احسن **رفیع** قزوین کا رہنے والا تھا، ۱۰۵۴ھ میں ہندوستان آیا، شاہجہاں کے دربار میں باریابی ہوئی، تو خلعت اور تین ہزار روپئے ملے، اور شاہی ملازموں میں داخل کر لیا

۱ ماثر الامراء جلد سوم ص ۴۶۹، ۲ ماثر الکرام دفتر ثانی ص ۱۰۶، ۳ ماثر الکرام ص [illegible] دفتر ثانی، ۴ ۔ ص [illegible]،

گیا، ۱۰۶۶ھ میں جشن وزن کے موقع پر ایک قصیدہ تہنیت کہا تو ہزار روپیہ انعام ملا،[1]

میر صیدی طہرانی، اصفہان سے ہندوستان آیا، اور شاہی دربار میں ملازم ہوکر شاہجہان کی زرپاشیوں سے سیراب ہوا، ۱۰۶۵ھ میں ایک قصیدہ تہنیت کہا جس کا مطلع یہ تھا،

زہے جہان خدا را سپہر عدل و کرم

بزیر سایۂ قدر تو نیتر اعظم،

شاہجہاں نے اس کے صلہ میں ہزار روپے دیئے،[2]

عبد الحمید لاہوری نے شاہجہانی دربار کے ایک اور شاعر **سعیدائے گیلانی** المخاطب بہ بے بدل خان کا ذکر کیا ہے، وہ اس کی شاعری کا بہت مداح ہے،[3] سعیدا نے شاہجہانی جلوس کی تاریخ اس مصرع سے نکالی،

جلوس شاہجہاں داد زیب ملت و دین

شاہجہاں کی زرپاشیوں اور علم نوازیوں کے سلسلہ میں ایک اور واقعہ قابل ذکر ہے، یمین الدولہ نے نزہت کے دو برہمنوں کو دربار میں پیش کر کے عرض کیا، کہ یہ دونوں دس ہندی بیتیں، جو دس شاعروں نے تازہ کہی ہوں، اور کسی نے نہ سنی ہوں ایک بار سنکر یاد کر لیتے ہیں، اور اسی وزن اور مضمون میں دس شعر فی البدیہہ کہدیتے ہیں، امتحان ہوا تو سچ ثابت ہوا، شاہجہاں نے دونوں کو خلعت اور ہزار ہزار روپے انعام میں دیئے،[4]

۱ ماثر الکرام دفتر ثانی ص ۱۰۸،
۲ ماثر الکرام دفتر ثانی ص ۱۱۱
۳ اس کے کلام کے نمونے بادشاہ نامہ جلد اول ص ۳۵۶ پر ملاحظہ ہوں،
۴ بادشاہ نامہ حصہ اول ص ۲۶۹،

مسلمان اور جبر و مقابلہ

از

مولوی محمد یوسف صاحب عمری رفیق دار المصنفین

جبر و مقابلہ علم ریاضی کی ایک شاخ ہے، جسمیں علامتوں کے ذریعہ سے مقداروں سے بحث کیجاتی ہے، یہ علامتیں عام طور سے حروف تہجی ہوتی ہیں، اور ان کی قیمت ایک مثال میں اول سے آخر تک ایک ہی رہتی ہے،

جبر کے لغوی معنی ٹوٹی ہوئی ہڈی کے باندھنے کے ہیں، اور لفظ مقابلہ مفاعلہ کے باب سے ہے، جس کے معنی ایک دوسری کی طرف متوجہ ہونے کے ہیں، لیکن ان دونوں لفظوں کے اصطلاحی معنی یہ ہیں، کہ معادلات کے ایک جملہ میں ناقص کی تکمیل کرکے وہی مقدار دوسرے جملہ میں بڑھادیجائے اور ایک جنس کی ناقص مقدار کو زائد مقدار میں سے گھٹایا جائے، چنانچہ نجم الدین خان انہی اصطلاحی معنوں کو یوں بیان کرتے ہیں،

طرفے کہ در واست حرفِ الّا ۔۔۔ تکمیل کن و مثلِ آن را،
بر طرفِ دگر فزون کن اے جبر ۔۔۔ در مصطلح است نام این جبر
ہنگام معادلہ تو بشناس، ۔۔۔ افتد اگر این کہ بعض اجناس
با وصفِ تجانس از سویت، ۔۔۔ در ہر طرف اند بے مزیت،
باید کہ زہر دو سو برانی، ۔۔۔ نامش تو مقابلہ بخوانی،

مثلاً:- $۵ب^{۲} - ۶ب + ۲ = ۴ب^{۲} + ۷$

اس مثال کے پہلے جملہ میں ۶ب ناقص ہے، اسلئے اسکی تکمیل کرکے یہی مقدار اس کے دوسرے جملہ میں بڑھادیجائیگی، اسی کا نام جبر ہے، چنانچہ مذکورہ شکل حسب ذیل شکل میں تبدیل ہوجائیگی،

$$۵ب^{۲} + ۲ = ۴ب^{۲} + ۶ب + ۷$$

اب اس میں ۵ب۲، ۴ب۲ اور ۲، ۷ ایک جنس کی مقداریں ہیں، اسلئے ۴ب۲ کو ۵ب۲ میں سے اور ۲ کو ۷ میں سے گھٹادیا جائے گا، اسی کا نام مقابلہ ہے، تو مذکورہ صورت حسب ذیل صورت میں تبدیل ہوجائے گی،

$$ب^{۲} = ۶ب + ۵$$

شروع میں اس علم کا نام "الجبر والمقابلہ" تھا، لیکن رفتہ رفتہ دوسرا لفظ متروک ہوگیا، اور اب یورپین زبانوں میں "الجبر والمقابلہ" کی بجائے صرف الجبرا (Algebra) بولا جاتا ہے،

اس فن کا موجد کون ہے؟ قطعی طور پر یہ نہیں بتایا جاسکتا کہ اس علم کو کس نے ایجاد کیا؟ البتہ اتنا ضرور ہے، کہ ولادتِ مسیح سے ایکہزار سات سو سال پہلے ہی اسکی ابتدا ہوچکی تھی، گو اس پر فن کا اطلاق نہیں ہوسکتا، مگر اسکی بنیاد اسی زمانہ میں پڑچکی تھی،[1]

یونانی و ہندی تصنیفات، اسلام سے پہلے یونانیوں میں دو شخصوں نے اس پر مستقل کتابیں لکھیں، ایک ابرخس ہے، جو سنہ ۱۴۰ ق م میں نہایت مشہور ریاضی دان گذرا ہے، اس کی کتاب کا ترجمہ ابوالوفا محمد بن محمد حاسب المتوفی سنہ ۳۸۸ھ نے کیا، اور اس کی جابجا اصلاح کی، نیز اس نے اس کی شرح بھی لکھی تھی، اور دعووں کو براہین و ہندسہ سے ثابت کیا تھا،[2]

---

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد اول ص ۶۱۶، کالم ۱، [2] فہرست ابن الندیم ص ۳۷۶،

ابرخس کے بعد ذیوفنطس الموجود فی ۲۵۰ء نے اس علم پر ایک مشہور کتاب لکھی، اصل کتاب جو ایک مقدمہ اور بارہ رسالوں پر مشتمل تھی، آج ناپید ہے، مگر اس کے ابتدائی چھ رسالوں کا لاطینی ترجمہ موجود ہے، جس کو ۱۵۷۵ء میں اکسیلینڈر (XYLANDER) نے بیسل (BASEL) سے شائع کیا ہے،[1]

اس کتاب کا عربی ترجمہ سب سے پہلے قسطا بن لوقا بعلبکی نے کیا تھا، جو مقتدر باللہ (۲۹۵ھ/۹۰۸ء – ۳۲۰ھ/۹۳۲ء) کے زمانہ میں تھا،[2] بعد میں ابوالوفا المتوفی ۳۸۸ھ نے اس کی اصلاح کی، اور اوس کی شرح لکھی تھی،[3]

ہندوستان میں سب سے پہلے آریہ بھٹہ نے چھٹی صدی عیسوی مین آریہ بھٹیم کے نام سے ایک کتاب لکھی، جس کا تیسرا باب علم حساب پر ہے،[4] بیرونی نے براہم سدھانتا کے ابواب کا تذکرہ کیا ہی جسکا ایک باب جبر و مقابلہ پر ہی،[5]

اسی طرح اسلام کے بعد ۱۱۵۰ء میں مشہور ہندوستانی ریاضی دان حکیم بھاسکراچاریہ نے خاص جبر و مقابلہ پر ایک مستقل کتاب بیج گنت کے نام سے لکھی، جس کا ترجمہ فارسی میں عطاء اللہ رشیدی ابن نادر العصر احمد نے ۱۰۴۴ھ میں شاہجہان کی تخت نشینی کے آٹھویں سال کیا تھا، فارسی ترجمہ کے قلمی نسخے کتب خانہ برٹش میوزیم لندن اور کتب خانہ میونخ میں ہیں،[6] اس کا ایک اور نسخہ ندوۃ العلماء کے کتب خانہ میں بھی ہی جو میری نظر سے گذرا ہی،

اب یہ سوال کہ آیا ہندؤوں نے اس علم کو یونانیون سے حاصل کیا، یا یونانیوں نے ہندوؤں سے لیا، ابھی تک محل نظر ہے، اس میں شک نہیں کہ ایک زمانہ سے ہندوستان اور یونان کے درمیان تجارتی آمد و رفت کا سلسلہ قائم تھا، اور یہ طبعی بات ہے کہ تجارتی چیزوں کے تبادلہ کے ساتھ خیالات کا تبادلہ بھی ہوتا رہتا ہے، اس لئے بہت ممکن ہے کہ دونوں نے ایک دوسرے سے کچھ نہ کچھ حاصل کیا ہو،

لیکن اگر یونانیوں اور ہندؤوں کی کتابوں کا موازنہ کیا جائے، تو معلوم ہوتا ہے کہ ہندوؤں نے اس علم کو یونانیون سے بھی آگے بڑھا دیا تھا، ہندو ریاضی دانوں نے دودرجی مساوات کے دو جذر کو تسلیم کر لیا تھا، غیر معین مساواتون کے حل کرنے کا عام قاعدہ بھی انھون نے دریافت کر لیا تھا، یونانی ان سے ناواقف تھے،[1]

مسلمانونکا جبر و مقابلہ، جب مسلمانون کا زمانہ آیا، توان کو وراثت اور تجارت وغیرہ کے مسائل حل کرنے کے لئے اس فن کے حاصل کرنیکی ضرورت پڑی، مسلمانوں میں سب سے پہلی کتاب جو اس فن پر لکھی گئی، وہ خلیفہ مامون کے درباری منجم محمد بن موسیٰ خوارزمی کی "المختصر فی حساب الجبر والمقابلہ" ہے، جس کو فریڈرک روزن نے ۱۸۳۱ء میں انگریزی ترجمہ اور مقدمہ کے ساتھ لندن سے چھاپ کر شائع کیا ہے،

اصل کتاب سے کچھ پتہ نہیں چلتا کہ اس کا ماخذ کیا ہے، ؟ یوں تو منصور باللہ کے زمانہ ہی سے علم حساب کی کتابون کا عربی میں ترجمہ ہونا شروع ہو گیا تھا، مگر صریحی طور پر نہیں معلوم کہ خوارزمی کے پہلے خاص جبر و مقابلہ کی کسی کتاب کا عربی میں ترجمہ ہوا تھا یا نہیں،

اب تک اس علم کی جتنی کتابوں کا پتہ لگا ہی، وہ سب کی سب خوارزمی کے بعد عربی میں ترجمہ ہوئی

---

[1] انسائیکلوپیڈیا، جلد اول صفحہ ۶۰۶ کالم ۱، [2] عیون الانباء فی طبقات الاطباء جزو اول ص ۲۴۵، [3] فہرست ابن الندیم ص ۲۸۳، [4] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد اول ص ۶۱۴ کالم ۱، [5] کتاب الہند ص ۷۴، [6] فہرست مخطوطات فارسی کتبخانہ برٹش میوزیم لندن ص ۴۵۵، و کتبخانہ میونخ ص ۱۳۶،

[1] انسائیکلوپیڈیا ص ۶۱۰، کالم ۲، [2] کشف الظنون جلد اول ص ۳۸۹، و مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۵۲۰،

ہین ذیوفنطس کی کتاب کا ترجمہ قسطا بن لوقا بعلبکی نے کیا، جو خلیفہ مقتدر باللہ کے زمانہ میں تھا[1]، ابراہیم سدھانتا کا ترجمہ البیرونی نے کیا جس کا زمانہ پانچویں صدی ہجری کے نصف اوّل کا ہے[2]،

بہت ممکن ہے کہ خوارزمی کے پہلے اس فن کی کسی کتاب کا عربی میں ترجمہ کیا گیا ہو، اور یہیں معلوم نہ ہو، یا اس نے دربار کے یونانی اور ہندی علماء سے استفاضہ کیا ہو، پھر یہ کتاب لکھی ہو،

بہر حال خوارزمی کی یہ کتاب اسقدر مقبول ہوئی، کہ برسوں تک مشرق و مغرب کے مدارس میں درس کے طور پر پڑھائی جانے لگی، بعد کے آنے والوں نے اس کو اپنا ماخذ بنایا، اور اس کی شرح در شرح لکھی، بارہویں صدی عیسوی میں رابرٹ آف چسٹر نے لاطینی میں اس کا ترجمہ کیا تھا[3]، اور ایک زمانہ تک مدارس یورپ کے نصاب میں داخل رہی، اور اہل یورپ نے اسی پر اپنے آیندہ جبر و مقابلہ کی بنیاد کھڑی کی ہے،

مضامین کتاب۔ اس کتاب کی قدر و قیمت کا صحیح اندازہ کرنے کے لئے بہتر معلوم ہوتا ہے، کہ اسکے مضامین پر ایک سرسری نظر ڈال لی جائے،

شروع میں ایک مختصر دیباچہ ہے، جس میں یہ بیان کیا ہے، کہ مامون کے اشارے سے اس نے یہ کتاب لکھی، تاکہ لوگوں کو وراثت، تجارت، بٹوارے اور دیگر معاملات کے حل کرنے میں آسانی ہو،

پھر یہ بتایا ہے کہ جبر و مقابلہ کی بنیاد تین چیزوں پر ہے، جذور، اموال، اعداد، جذور جمع ہے جذر کی، جذر کے لغوی معنی جڑ کے ہیں، جس کو ہم انگریزی میں (ROOT) کہتے ہیں، اور اس کی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ چیز جو فی نفسہ مضروب ہو، اور اموال مال کی جمع ہے، اور اس کو انگریزی میں (SQUARE) کہتے ہیں، اب دار الترجمہ عثمانیہ نے مال کی بجائے لفظ مربع استعمال کیا ہے، یعنی جذر کو جذر میں ضرب دینے سے جو حاصل ہو، اس کو مال یا مربع کہتے ہیں،

[1] عیون الانباء فی طبقات الاطباء جزء اول ۲۱۲ [2] کتاب الہندس ۲۰۰ [3] تاریخ ریاضیات از اسمتھ،

انہی تینوں کے معادلات سے چھ شکلیں پیدا ہوتی ہین، جو حسب ذیل ہیں،

۱- مال جو جذور کے معادل ہو، جیسے $ب^2$ = ۵ ب

۲- مال جو عدد 〃 〃 〃 $ب^2$ = ۹

۳- جذور جو عدد 〃 〃 〃 ب = ۳

۴- مال اور جذور جو عدد کے معادل ہون 〃 $ب^2$ + ۱۰ ب = ۳۹

۵- مال اور عدد جو جذور 〃 〃 〃 $ب^2$ + ۲۱ = ۱۰ ب

۶- جذور اور عدد جو مال 〃 〃 〃 ۳ ب + ۴ = $ب^2$

اگلی تین شکلوں کو مفردات کہا جاتا ہے، اسلئے کہ معادلات کا ہر جملہ مفرد ہے، اور پچھلی تین شکلوں کو مقترنات میں شامل کیا جاتا ہے، کیونکہ معادلات کا ایک جملہ دو چیزوں کا مجموعہ ہوتا ہے،

خوارزمی نے مذکورۂ بالا چھ شکلوں کے حل کرنے کے کلیہ قواعد بتائے ہیں، اور ہندسی اشکال سے اپنے دعوے کی صحت پر دلیلین دی ہیں، پھر ضرب، جمع، تفریق اور تقسیم کی تشریح مثالوں کیساتھ کی ہے، اور مشق کے طور پر مختلف سوالات دیکر ان کے جوابات کی تشریح کر دی ہے،

اس کے بعد معاملات کا ایک چھوٹا سا باب باندھا ہے، پھر مساحت کا ایک باب ہے، جس میں مثلث متساوی الاضلاع، دائرہ، قوس، مکعب، مخروط مثلث، مخروط مربع، مخروط مدوّر، مربعات قائمۃ الزوایا متساویۃ الاضلاع، مربعات مختلفۃ الاضلاع قائمۃ الزوایا، مربعات معینہ مختلفۃ الزوایا، مربعات مشبہ بالمعینہ، مربعات مختلفۃ الاضلاع والزوایا، مثلثات قائمہ، مثلثات حادہ، مثلثات منفرجہ اور عمود مخروط وغیرہ کی مساحت کے وہی قاعدے بتائے ہیں، جو آج عام طور سے مستعمل ہیں،

اس کے بعد کتاب الوصایا ہے، جس میں وصیت کی کثرت سے مختلف مثالیں دی ہیں اور

ان کے حل کرنے کے طریقے شرح و بسط کیساتھ بیان کئے ہین،

اخیر میں مسائل وراثت کے تعلق سے دَور کے مسائل ہیں، اور انہی پر کتاب ختم ہو جاتی ہے، یہ متوسط تقطیع کے ایک سو بائیس (۱۲۲) صفحوں پر پھیلی ہوئی ہے، اس پر ایک نظر ڈالنے سے اسکی حسب ذیل خصوصیات نظر آئیں گی،

۱- عبارت آسان اور طرز بیان سلیس اور سہل ہے، اور مسائل کو اس قدر صاف اور واضح بیان کیا ہے، کہ ان کے سمجھنے میں کوئی دقت نہیں واقع ہوتی، بخلاف بیج گنت کے کہ اسمین مسائل واضح طور پر نہیں بیان کئے گئے ہیں، اسلئے اسکے سمجھنے میں کافی دقت ہوتی ہے،

۲- تمام اصطلاحین عربی کی اختیار کی ہیں، غیر زبان کی ایک اصطلاح بھی اس میں نہیں پائی جاتی،

مضامین کے لحاظ سے گو خوارزمی جمع، ضرب، تفریق، تقسیم، مساواتِ مفرد، مساوات درجۂ دوم سے آگے نہیں بڑھا ہے، مگر اس کے بتائے ہوئے کلی قواعد، ہندو ریاضی دانون کے بتائے ہوئے قواعد سے مختلف ہیں، اس کے علاوہ خوارزمی کے قواعد بہت آسان، جلد سمجھ میں آنے والے اور واضح ہیں، ہندو ریاضی دانوں کے قواعد میں یہ بات نہین، ان کے قواعد خوارزمی کے قواعد کے مقابلہ میں پیچیدہ اور مشکل ہیں،

اس لئے یہ قیاس میں آتا ہے کہ جہانتک حلِ مسائل کے قواعد کا تعلق ہے، وہ تمام تر خوارزمی کے دماغ کی پیداوار ہین،

یونانیوں کے اصول بھی کچھ زیادہ کار آمد نہ تھے، اسلئے عربوں نے خود اپنی طرف سے حلِ مسائل کے اصول بنائے، فاضل عیسائی عالم جرجی زیدان کا یہ کہنا بجا ہے کہ

"اہل عرب جبر و مقابلہ میں بھی سبقت لے گئے، ان لوگوں نے دو کتابیں یونانی سے اس

فن کی عربی میں ترجمہ کی تھیں، لیکن جب اس میں ان لوگوں نے زیادہ غور و فکر کیا، تو معلوم ہوا کہ جو اصول ان کتابوں میں بیان کئے گئے ہیں، وہ اعتبار کے قابل نہیں، اسلئے خود ان لوگوں نے جبر و مقابلہ کے اصول بنائے[1]"

فریڈرک روزن یونان و ہندوستان کے جبر و مقابلہ کے ساتھ خوارزمی کے جبر و مقابلہ کا موازنہ کرتے ہوئے لکھتا ہے، :-

"وہ علم جو محمد بن موسیٰ نے اس ہماری پیش نظر کتاب میں بیان کیا ہے، وہ مساوات درجہ دوم اور ان چند مسائل سے جو (AFFECTED SQUARE) سے تعلق رکھتے ہیں، آگے نہیں بڑھا ہے، ان تمام مسائل کے حل کرنے میں وہ انہی اصول کی پیروی کرتا ہے، جو ذیوفنطس نے اپنی کتاب میں لکھے ہیں[2]، یا ہندو ریاضی دانوں نے (گو وہ عیر الفہم ہی کیوں نہ ہون ا) بیان کئے ہیں[3]"

یہ ممکن نہیں ہے کہ اس نے ذیوفنطس کی کتاب سے یہ اصول لئے، کیونکہ چوتھی صدی ہجری کے نصف تک عربوں کو اس کتاب کا کچھ علم نہیں تھا، یہانتک کہ ابوالوفا بوزجانی نے اس کو عربی میں نقل کیا[4]، یہ بہت ممکن ہے کہ عربوں نے جبر و مقابلہ کا ابتدائی فن ہندوؤن سے لیا ہو جنھون نے عربوں کو کسور اعشاریہ اور دیگر حساب و نجوم کے ضروری معلومات و نکات بتائے تھے،

[1] علوم عرب مصنفہ جرجی زیدان مترجمہ حافظ اسلم صفحہ ۲۲، [2] ذیوفنطس مسئلہ ۳۲ و ۳۳، [3] لیلاوتی ص ۲۹، بیج گنت مترجمہ مسٹر کولبروک ص ۳۴،
[4] قیصری Casiri Bibl. Arab. Escur. 1-433 Colebrooke's Dissertation &c P. lxxii

فن کے لحاظ سے گو خوارزمی ہندو ریاضی دانوں کی منت کا زیر بار ہی کیوں نہ ہو تاہم
اصول و مسائل کی تشریح و توضیح میں وہ بالکل آزاد نظر آتا ہے، کم از کم اوس نے
اپنے اصول کی تشریح میں جو طریقہ اختیار کیا ہے، وہ ایک حد تک ہندو ریاضی دانون
کے طریقوں سے بالکل مختلف ہے، بہاسکرا، اور برہم گپتا صرف بنیادی اصول بتا دیتے
ہیں، اور ان کی صحت پر کوئی دلیل نہیں دیتے، اور ان اصول کا تعلق طلبہ کے فہم و ادراک
کی بجائے ان کے حافظہ سے ہوتا ہے،

خوارزمی اپنے اصول کو ایک سادہ نثر میں بیان کرتا ہے، پھر ہندسی اشکال سے ان
اصول کی صحت کے دلائل دیتا ہے، ہندو ریاضی دان نسبتہً بہت کم مثالیں دیتے ہیں
اور بھاری بھرکم الفاظ سے صرف ضروری اصول بیان کر دیتے ہیں، لیکن عرب ان
کے برخلاف مثالیں کثرت سے دیتے ہیں، اور طرز بیان ایسا سہل اور سلیس اختیار کرتے
ہیں، کہ اس سے مسائل آسانی سے نمایاں ہو جاتے ہیں،

ہندو ریاضی دان مسائل کے حل کرنے میں صرف نتیجہ اور بیچ کے ضروری طریقون
([illegible]) کو بیان کرتے ہیں، لیکن ایک عرب ہر مسئلہ کی تشریح کا طریقہ
پورے طور پر بیان کرتا ہے، اس کی نظر ہمیشہ معادلات کے دونوں طرف رہتی ہے،
گویا وہ ترازو کی ڈنڈی کے دونوں طرف کو دیکھ رہا ہے، وہ بتاتا ہے کہ معادلات کے
ایک طرف کچھ رد و بدل کرنے سے کس طرح دوسری طرف بھی رد و بدل واقع ہوتا ہے، [1]

خوارزمی کے بعد سند بن علی یہودی، ابو کامل شجاع بن اسلم اور ابو یوسف المصیصی وغیرہ نے اس
فن پر مستقل کتابیں لکھیں، [2] جن میں ابو کامل کی کتاب ترتیب اور طرز بیان کے لحاظ سے بہت بہتر تھی،

[1] مقدمہ انگریزی کتاب المختصر فی حساب الجبر والمقابلہ ص ۹، [2] فہرست ابن الندیم ص ۲۸۲ و ۳۹۲،

بعض نے مثلاً عبد اللہ بن حسن صیدنانی، سنان بن فتح، اور ابو الوفا نے خوارزمی کی کتاب کی، اور اصطخری
المتوفی ۳۸۰ھ اور علی بن احمد العمرانی المتوفی ۳۴۴ھ نے ابو کامل کی کتاب کی شرح لکھی، [1] مگر ابو الوفا
کے علاوہ کسی نے خوارزمی کی کتاب کے مضامین سے آگے قدم نہیں بڑھایا، ابو الوفا نے مساوات درجہ
چہارم کو ہندسی اشکال کے ذریعہ حل کیا، [2]

ابھی تک کسی نے کعبی مساوات کے حل کرنے کی کوشش نہیں کی تھی، البتہ ماہانی الموجود
فی ۲۵۰ھ نے کعبی مساوات کی تین مخصوص [3] شکلوں کو حل کرنے کی کوشش کی تھی، لیکن غور و فکر کے بعد بھی
وہ جب حل نہ کر سکا، تو اس نے یہ یقین کر لیا، کہ ان کا حل ناممکن ہے،

اس کے بعد ابو جعفر الخازن پیدا ہوا، اور اس نے ان تین مخصوص شکلوں کو قطوع مخروطیہ کے
ذریعہ حل کیا، [4]

ابو الجود محمد بن لیث جو ابو ریحان بیرونی المتوفی ۴۴۰ھ کا معاصر تھا، اور ابو علی بن ہیثم
(المتوفی بین ۴۴۶ھ و ۴۵۴ھ) نے کعبی مساوات کی دیگر چند شکلوں کو حل کرنے کی کوشش کی مگر انھون
نے کسی میں کامیابی حاصل کی اور کسی میں غلطی کی جس کی بعد میں خیام نے اصلاح کی، [5]

پانچویں صدی ہجری میں خیام پیدا ہوا، اور وہ ابتدا ہی سے اس فن پر غور و فکر کرنے لگا،
اور کافی غور و خوض کے بعد مساوات مفرد، مساوات درجہ دوم، اور کعبی مساوات کی پچیس شکلیں
نکالیں، اور ان تمام کو ہندسہ کے ذریعہ حل کیا، اور رسالہ فی براہین الجبر والمقابلہ کے نام سے ایک

[1] فہرست ابن الندیم ص ۳۹۰ و ۳۹۲ و ۳۹۴، [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا طبع یازدہم جلد اول ص ۶۱۱
کالم ۱، [3] وہ تین مخصوص شکلیں یہ ہیں، (۱) کعب اور مال جو عدد کے معادل ہوں، (۲) کعب اور عدد جو
مال کے معادل ہوں، (۳) مال اور عدد جو کعب کے معادل ہوں [4] براہین الجبر والمقابلہ للخیام ص ۲،
[5] ایضاً ۳۴ و ۴۸،

چھوٹا سا رسالہ لکھا، جسکو ایف ویپکے (F. WEOPCKE) نے فرنچ ترجمہ اور مقدمہ کے ساتھ باریک ٹائپ کے باون صفحوں میں پیرس سے ۱۸۵۱ء میں شائع کیا ہے،

خیام کے مقدمہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ خوارزمی وغیرہ کی کتابیں اس کو نہیں ملیں، متاخرین میں ماہانی، ابوجعفر الخازن، ابوالجود محمد بن لیث، ابوعلی بن ہیثم، اور ابوسہل قوہی وغیرہ کے نام گنا تا ہے،

اس رسالہ کے صفحہ صفحہ سے ہویدا ہے، کہ اس نے کافی جانفشانی اور محنت و کوشش سے یہ رسالہ لکھا ہے، پچیس شکلوں میں سے چھ شکلیں تو اوپر گذر چکی ہیں، باقی انیس شکلیں ذیل میں درج کی جاتی ہیں،

۱- کعب جو اموال کے معادل ہو، جیسے $ب^{۳} = ۴ب^{۲}$،

۲- کعب جو جذور 〃 〃 〃 $ب^{۳} = ۱۶ب$،

۳- کعب جو عدد 〃 〃 〃 $ب^{۳} = ۶۴$

۴- کعب اور مال جو جذور کے معادل ہوں 〃 $ب^{۳} + ب^{۲} = ۲۰ب$

۵- کعب اور جذور جو اموال 〃 〃 〃 $ب^{۳} + ۴ب = ۵ب^{۲}$،

۶- جذور اور اموال جو کعب 〃 〃 〃 $ب^{۲} + ۱۲ب = ب^{۳}$،

۷- کعب اور جذور جو عدد 〃 〃 〃 〃 $ب^{۳} + ۵ب = ۸۴$،

۸- کعب اور عدد جو جذور 〃 〃 〃 $ب^{۳} + ۱۶ = ۲۰ب$

۹- کعب اور مال جو عدد 〃 〃 〃 〃 $ب^{۳} + ۲ب^{۲} = ۹۶$

۱۰- کعب اور عدد جو اموال 〃 〃 〃 〃 $ب^{۳} + ۳۲ = ۶ب^{۲}$

۱۱- عدد اور اموال جو کعب 〃 〃 〃 〃 $۳۲ + ۲ب^{۲} = ب^{۳}$،

۱۲- عدد اور جذور جو کعب کے معادل ہوں جیسے، $۲۴ + ۱۰ب = ب^{۳}$

۱۳- کعب اور مال اور جذور جو عدد کے معادل ہون جیسے، $ب^{۳} + ب^{۲} + ۲ب = ۸۸$،

۱۴- کعب اور مال اور عدد جو جذور 〃 〃 〃 〃، $ب^{۳} + ۴ب^{۲} + ۸ = ۳۰ب$،

۱۵- کعب اور جذور اور عدد جو مال 〃 〃 〃 〃، $ب^{۳} + ۱۲ب + ۱۶ = ۸ب^{۲}$،

۱۶- کعب جو جذور اور مال اور عدد 〃 〃 〃 〃، $ب^{۳} = ۶ب + ۲ب^{۲} + ۸$

۱۷- کعب اور مال جو جذور اور عدد 〃 〃 〃 〃، $ب^{۳} + ۲ب^{۲} = ۱۶ب + ۳۲$

۱۸- کعب اور جذور جو مال اور عدد 〃 〃 〃 〃، $ب^{۳} + ۱۰ب = ۶ب^{۲} + ۸$

۱۹- کعب اور عدد جو جذور اور مال 〃 〃 〃 〃، $ب^{۳} + ۲۰ = ۵ب + ۴ب^{۲}$

ان انیس شکلوں میں سے پہلی تین شکلیں خیام کے پہلے ہی جبر و مقابلہ کے ذریعہ حل کردی گئی تھیں، خیام کا کارنامہ یہ ہے، کہ اس نے ان پر ہندسی اشکال سے دلیلیں قائم کین،

تیسری شکل کے متعلق خیام نے لکھا ہے، کہ کعب کا جذر صرف استقرار اور تتبع سے معلوم ہوسکتا ہے، ورنہ اس کے معلوم کرنے کا کوئی کلی قاعدہ نہیں ہے،[۱] اسی طرح مربع کے جذر کے متعلق بھی اس نے یہی خیال ظاہر کیا ہے، لیکن ان دونوں کے جذر کے معلوم کرنے کا ایک کلیہ قاعدہ موجود ہے، اور یہ خیام سے پہلے کے لوگوں کو معلوم تھا، مسلمانوں میں ابوالوفار المتوفی ۳۸۸ھ نے مکعب کے جذر کو معلوم کرنے کا قاعدہ دریافت کر لیا تھا،[۲] مشہور ہندی ریاضی دان حکیم بھاسکرا نے بھی لیلاوتی مین ان کے قاعدے ذکر کئے ہین،[۳]

نویں، دسویں اور گیارہویں شکل کو ابوجعفر الخازن نے قطوع مخروطیہ کے ذریعہ حل کردیا تھا، خیام نے ان کے علاوہ باقی اشکال کو جبر و مقابلہ کے ذریعہ نہیں بلکہ ہندسے سے حل کر دیا،

[۱] براہین الجبر و المقابلہ ص۷، [۲] تاریخ الحکماء قفطی ص۱۸۹، [۳] لیلاوتی، ص۱۳ و ۱۹،

اس کے بعد مشرق میں کوئی صاحب دماغ ایسا نہیں پیدا ہوا، جو جبر و مقابلہ کے ذریعہ کعبی مساوات کو حل کرتا، شپیو فررو (Scipio Ferro) المتوفی ۱۵۲۶ء نے جبر و مقابلہ کے ذریعہ کعبی مساوات کے حل کرنے کی کوشش کی، بیان کیا جاتا ہے، کہ اس نے اپنے شاگرد انٹونیو میری فلارڈا اس کو اسکے حل کرنے کا قاعدہ بتا دیا تھا، آخر ۱۵۳۰ء میں ٹوکس نے اس کے حل کرنے کا قاعدہ دریافت کیا، اور اطالیہ بھر میں اسکو شائع کرایا،[1]

اندلس، یہ تو مشرق کی حالت تھی، اب بغداد سے کوسوں دور مغرب میں قرطبہ پر نظر ڈالئے، تو معلوم ہوگا کہ وہاں بھی خلفاے بنی امیہ قرطبہ کو علوم و فنون کا گہوارہ بنا رہے تھے،

خلیفہ الحکم ثانی جو ۳۵۰ھ میں تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہوا، علم کا بہت بڑا قدر دان تھا، اس نے اپنے باپ کے زمانہ ہی سے مشرقی ممالک کی بیش بہا اور نادر کتابیں منگوانی شروع کین اور اپنی وفات تک اتنا بڑا ذخیرۂ کتب فراہم کر لیا، کہ خلفاے عباسیہ کے اس علمی سرمایہ کی ہمسری کرنے لگا جس کو انھوں نے مدت مدید میں جمع کیا تھا،

الحکم کے اس انتہائی شغف علمی نے لوگوں میں قدما کی تصانیف پڑھنے پڑھانے کی پرجوش تحریک پیدا کر دی، اس کے علمی شغف کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے، کہ جب اوس نے ۳۶۶ھ میں انتقال کیا، تو اس کے کتب خانہ میں چار لاکھ جلدیں کتابوں کی موجود تھیں،

الحکم نے علما کی قدر دانی اور ہمت افزائی میں، اتنی ہی یا اس سے زیادہ بلند حوصلگی دکھائی جتنی مامون نے بغداد میں دکھائی تھی، اس کا نتیجہ یہ ہوا، کہ چند دنون میں اندلس میں بڑے بڑے علما پیدا ہو گئے جنھوں نے ہر فن میں بیش بہا اور قیمتی تصنیفات یادگار چھوڑین،

اندلس کا سب سے بڑا ماہر ریاضی مسلمہ بن احمد ابو القاسم المعروف بالمجریطی ہے، جسکو قفطی نے

[1] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد اول صفحہ ۶۱۰ کالم ۲،

امام الریاضیین کے لقب سے یاد کیا ہے، یہ علم الافلاک اور حرکات نجوم کا بہت بڑا ماہر تھا، اس نے علم الحساب میں ایک کتاب بھی لکھی تھی، اور محمد بن موسیٰ خوارزمی کی زیچ کے ساتھ اسکو بہت شغف تھا، اسی نے اسکی فارسی تاریخ کو عربی تاریخ میں بدل دیا تھا، مجریطی نے ۳۹۸ھ میں وفات پائی،[1]

اس کے بعد جابر بن افلح پیدا ہوا جس نے خاصکر فن جبر و مقابلہ میں عظیم الشان شہرت پائی، یہانتک کہ یورپ میں ایک زمانہ تک جبر و مقابلہ کا موجد اسی کو سمجھا جاتا تھا، اور فن کا نام اس کے نام سے منسوب خیال کیا جاتا تھا،[2]

پھر آٹھویں صدی ہجری کے اوائل میں ابو عبد اللہ محمد بن عمر بن محمد المعروف بابن بدر پیدا ہوا، اور اس نے ۷۴۴ھ میں اس فن پر ایک مختصر رسالہ لکھا، جسکو یوسف شانچاش بیریز (Jose Sanchez Perez) نے ۱۹۱۶ء میں اپنی ترجمہ اور مقدمہ کیساتھ میڈرڈ سے شائع کیا ہے،

اس کتاب کا اصلی نام "کتاب فیہ اختصار الجبر والمقابلہ" ہے، اس میں ابن بدر نے وہی مطالب بیان کئے ہیں، جو محمد بن موسیٰ خوارزمی نے اپنی کتاب میں درج کئے ہیں، فرق صرف اتنا ہے کہ تمام مسائل پر جبر و مقابلہ کی حیثیت سے نظر ڈالی ہے، اور اصول کی صحت پر ہندسہ سے دلیلیں نہیں دی ہیں، مساحت کا باب بھی حذف کر دیا ہے،

ابن خلدون المتوفی ۸۰۸ھ کے ایک جملہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ اسکے زمانہ تک اندلس میں جبر و مقابلہ کی صرف چھ شکلیں رائج تھیں، کیونکہ اس نے لکھا ہے، کہ

"ہم کو معلوم ہوا ہے کہ مشرق کے بعض ائمہ ریاضی نے معاملات کو چھ شکلوں سے آگے بڑھا دیا ہے اور بیس تک پہنچا دیا ہے، اور تمام کے حل کرنے کے قواعد دریافت کرکے ہندسہ سے ان پر دلیلیں دی ہیں"[3]

[1] اخبار الحکما للقفطی صفحہ ۲۱۴، [2] انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا جلد اول صفحہ ۶۱۶ کالم ۱، [3] مقدمہ ابن خلدون صفحہ ۵۳۰

اس سے یہ بھی پتہ چلتا ہو کہ خیام کا رسالہ اس کی نظر سے نہیں گذرا تھا، متاخرین کی کتابوں
کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ خیام کے بعد غالباً کوئی عالی دماغ ایسا نہیں پیدا ہوا جو اس فن
کو اور ترقی دیتا، اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ فلسفہ، کلام، منطق، ہیئت اور اقلیدس نے تمام مسلمانوں
کے دماغوں کو اپنی طرف مبذول کر لیا تھا، یہ فنون مسلمانوں کو اتنے دلچسپ نظر آئے کہ ہر ایک
شخص انہی فنون میں تصنیف و تالیف کرنے لگا، ورنہ یہ علم بھی ان کے ہاتھوں دیگر علوم کی طرح
اوجِ کمال پر پہنچ جاتا،

نسخہ گوے وچوگان

موجودہ

کتبخانہ حبیب گنج

از جناب عبدالغفور صاحب بی اے، آنرز لندن، ایم اے ایم ایس سی علیگ

فنِ خوشنویسی مسلمانوں میں تعلیم کا ضروری جزو خیال کیا جاتا تھا جس طرح مصری رسم الخط ہیروغلافی
اور چینی رسم الخط فنِ مصوری سے ملتے جلتے تھے، اور بسا اوقات ان کو تصویروں کے حاشیہ یا جزئیات کی
زیب و زینت کے لئے استعمال کیا جاتا تھا، اسی طرح نسخ اور خط نستعلیق بھی ایرانی مصوروں کے لئے ایک لازمی
جزو ثابت ہوتے تھے، مکتبوں میں بھی بچوں کو شروع سے ہی خوشنویسی کی مشق کرائی جاتی تھی، اور اوائل
عمر سے ہی انکو خطاطی کے شہ پاروں سے روشناس کرایا جاتا تھا، تاکہ ان میں ادبی اور فنونِ لطیفہ کا صحیح
مذاق پیدا ہو، گلستاں میں ایک بادشاہ کا ذکر ہے، کہ اس نے اپنے بیٹے کو مکتب میں بھیجا، تو ایک لوحِ
سیمیں جسپر ایک مصرعہ فارسی خوشخط لکھا ہوا تھا، اس کے ہمراہ بھیجی،

پادشاہے پسر بمکتب داد، لوحِ سیمیش در کنار نہاد،
بر سرِ لوحِ او نوشتہ بزر جورِ استاد بہ ز مہرِ پدر،

اسلامی حکمراں نہ صرف فنِ خطاطی کے قدرداں تھے، بلکہ خود بھی اس فن شریفہ کی مشق کرتے
تھے، غلام خاندان کے سلطان ناصر الدین اور اورنگ زیب عالمگیر رحمۃ اللہ علیہ تو بدست خود قرآن
کریم کی کتابت کرتے تھے، بابر کے متعلق ایک دلچسپ واقعہ مولینا حبیب الرحمن خانصاحب نے سنایا،

موصوف کو فنِ خوشنویسی سے بے حد شغف اور تاریخِ خطاطان سے بہت دلچپی ہے، ان کے ہاں نو

فنِ خطاطی کے متعدد شہ پارے موجود ہیں، بلکہ وہ خود اس کے بہترین نقاد ہیں،

بابر تزک بابری میں ۹۲۵ھ کے حالات میں لکھتا ہے کہ شاہی لشکر سکندر پور بہار میں پڑا تھا کہ

نمازِ تراویح کے بعد گھنگور گھٹا اٹھی، اور طوفانِ باد و باراں سے بہت سی قناتیں اکھڑ کر زمین پر گر گئیں

لکھتا ہے کہ میں اسوقت وصلیوں پر مشق کر رہا تھا، اور کچھ کتابیں اردگرد منتشر پڑی ہوئی تھیں

اتنے میں خیمہ گر گیا، اگرچہ بفضلِ ایزدی میں تو سلامت رہا، مگر وصلیان اور کتابیں بھیگ گئیں، کتب

کا عشق ملاحظہ ہو، کہ اسی وقت ان سب آب زدہ کتابوں کو اونی کپڑے میں رکھا اور اس پر قالین

ڈال دیا اور ساری رات جاگ کر کاٹی، شمعیں اور آگ جلا کر کتابوں اور وصلیوں کو سکھلایا، تب اطمینان ہوا

مغل بادشاہ مشہور خطاطین کی کتابوں اور کتبوں کو بہت شوق سے خریدتے تھے، اور لباد و

ان کو دستِ خاص سے شاہی کتب خانے میں داخل کرتے تھے، پروفیسر شیرانی صاحب کے پاس جو

نسخہ گلستان کا یاقوت کے نسخے سے منقول ہے، اس پر جہانگیر کی اپنی تحریر ہے، شاہجہان تو اس فن کا

خاص قدردان تھا، میر عماد کے قتل کے بعد جب اس کا عزیز شاگرد عبد الرشید دیلمی ہندوستان پہنچا تو

اس نے بڑی عزت افزائی سے دربار میں رکھا، میر عماد الحسینی کے کتبون کی تو شاہجہان نے اتنی قدر

کی کہ شاید ہی کسی اور نے کی ہو، اور جو شخص بھی اس نادر العصر استاد کی کوئی چیز پیشکش میں دیتا تھا

تو کم از کم ایک صدی منصب پاتا تھا،

بادشاہ کے علاوہ امرا و وزرا خود قدرداں بھی تھے اور بعض اچھے خوشنویس بھی کتب خانہ

حبیب گنج کے نوادر میں سے ایک عربی مناجات بھی ہے، جو ابوالحسن آصف خاں برادر نور جہاں اور

شاہجہان کے خسر کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے، خط نستعلیق میں ہے، اور خاصہ اچھا ہے، مولینا غلام احمد

مصنف تذکرۂ خوشنویسان نے میر فتح اللہ شیرازی، عبد الرحیم خانخاناں، ٹوڈرمل، زین خاں کوکہ

اور شاہزادوں میں سے خسرو، پرویز، خرم اور دارا شکوہ کو طبقۂ خوشنویسان میں شمار کیا ہے،

ملا میر علی سرآمد خطاطان کے ہاتھ کی لکھی ہوئی مثنوی گوے وچوگان، فن خطاطی اور مصوری کے

لحاظ سے کتبخانہ حبیب گنج کی بہترین کتاب ہے گوے وچوگان ملا عارفی ہراتی کی سب سے مشہور تصنیف ہے

مصنف نے اس کتاب کو سلطان جہانیان محمد بن مرزا بایسنقر کے نام معنون کیا ہے، جو پہلے تو حاکم

عراق رہا، پھر فارس پر قابض ہو گیا، اگرچہ کتاب کا مضمون تصوف ہے، مگر تمام تشبیہات اور استعارے

گوے وچوگان کے کھیل سے لئے گئے ہین، جسکو آج کل پولو کہتے ہیں، جس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے

کہ شاہزادہ خود گوے وچوگان کا بہت شوقین تھا، عارفی نے اشعار میں اس کا اشارہ بھی کیا ہے خود

سلطان کے والد مرزا بایسنقر کی نسبت بابر تزک میں لکھتا ہے کہ وہ نستعلیق خوب لکھتا تھا، اور فن مصوری

میں بھی طاق تھا، شاعر مثنوی کے ضمن میں لکھتا ہے، کہ میں نے اسکو دو ہفتے میں لکھا تھا، اور گو ذخو

اس کا تاریخی نام ہوا جس سے ۸۴۲ھ تاریخ نکلتی ہے، اسی سلسلے میں لکھتا ہے کہ اسوقت میری عمر

پچاس سال کی تھی، اور بادشاہ نے ایک گھوڑا اور ایک ہزار دینار انعام میں دیئے، ملا عارفی سلمان

ثانی کے نام سے مشہور تھے، جامی علیہ الرحمہ نے ان کا ذکر اپنی کتاب بہارستان میں کیا ہے، شہر ہرات

میں ۸۵۳ھ میں وفات پائی،

گوے وچوگان ۱۹۳۱ء میں لندن سے گرین شیلڈ نے شائع کی ہے،

حبیب گنج کے نسخہ کے کاتب ملا میر علی ہیں، یہ ساداتِ ہرات میں سے تھے، اور خط نستعلیق کے

مشہور مشاق مولانا سلطان علی مشہدی کے شاگرد تھے، فن خطاطی کیساتھ عربی فارسی و شاعری میں

بھی مہارتِ تامہ رکھتے تھے، کچھ عرصہ بخارا میں بھی قیام کیا بہت مدت تک عبد اللہ خان ازبک ہمعصر

اکبر اعظم کے دربار میں رہے، کہا جاتا ہے کہ مومن خان پسر عبد اللہ خاں کے استاد تھے، مولانا غلام محمد

ہفت قلمی اپنے تذکرہ خوشنویسان میں لکھتے ہیں، کہ جو کتاب و مرقع لکھتے تھے، اسکی تاریخ کتابت خود

کہتے تھے، اور اپنے ہاتھ سے لکھتے تھے، ایک مرقع (جو جہانگیر بادشاہ نے نہایت شوق سے مرتب کیا تھا)
کو دیکھنے کا اتفاق ہوا، یہ معلوم ہوتا تھا، کہ ایک باغ ہے عالمِ بہار میں، اس پر میر علی کے ہاتھ کی سند بھی
درج تھی، ملا میر علی کی تصنیفات میں قواعد خطوط سبعہ منظوم، رسم الخط اور خط و سواد ہیں، وفات غالباً ۹۵۱ھ
میں ہوئی، شاہجہان میر علی الکاتب کا بڑا مداح تھا، اور بعینہ جیسے جہانگیر نے تزک میں فخریہ لکھا ہے کہ میں
ایک کاتب کا قلم دوسرے سے تمیز کر لیتا ہوں، شاہجہاں کی قدرشناس نگاہ بھی فی الفور ملا میر علی کے
خط کو جانچ لیتی تھی، شش رسالہ سعدی کے اس نسخہ پر جو بانکی پور میں ہے، شاہجہان نے بدست خاص
لکھا ہے کہ یہ نسخہ درحقیقت ملا میر علی کے ہاتھ کا لکھا ہوا ہے، مگر کسی نے کاٹ کر اس کے بیٹے کا نام لکھدیا
ہے، کتب خانہ حبیب گنج میں اس ماہر فن خطاطی کی تین یادگاریں ہیں، ایک تو مثنوی گوے وچوگان دوسرے
ایک کتبہ جسکی پشت پر جہانگیر کے دربار کے مصور منصور نادر الزمانی کے ہاتھ کا گل سوسن بنا ہوا ہے تیسرے
ایک اور کتبہ ہے،

گوے وچوگان کیا بلحاظ کتابت اور کیا بلحاظ مصوری اور گلکاری ایک نادر الوجود اور عظیم الشان
نسخہ ہے، یہ کتاب دو شاہی خزانوں میں رہ چکی ہے، عالمگیر کے سنہ جلوس کے اکتیسویں سال بابت
مالِ غنیمت فتح گولکنڈہ شاہانِ مغلیہ کے خزانے میں منتقل ہوئی، لوح کتاب سے پہلے کے ورق میں
مفصلۂ ذیل عبارت لکھی ہے، "کتاب گوے وچوگان در ایام کمال استاد الکتاب ملا میر علی بابت فتح گولکنڈہ
در سال سی ویکم جلوس اقبال تحویل سہیل نمودہ شد، عدد اوراق سی وسہ قیمت دو ہزار روپیہ چہار صد و نود
و دو اشعار"،

میر علی الکاتب کے قلم سے خاتمہ پر حسب ذیل عبارت درج ہے، "کتبہ علی الحسینی الکاتب فی اوائل
شہر ربیع الاول سنہ ست وعشرین وتسعمائۃ"،

۱؎ تذکرہ مذکر احباب،

چونکہ تذکرہ مذکر احباب کی رو سے ملا میر علی نے ۹۵۱ھ میں بعمر ہفتاد سال وفات پائی اس لئے اس
نسخہ کی کتابت کے وقت ان کی عمر ۴۵ سال ہوگی، اسی لئے اس کو ان کے کمال فن کا ایک نمونہ لکھا گیا ہے،
کتاب پر ایک مہر قابل خان خانہ زاد عالمگیر کی، ایک عہد شاہ عالم کی اور ایک نواب ضیاء الدین خاں کی ہے،
ان کے علاوہ متعدد مواہیر مختلف زمانوں کی ہیں، جو عرض دیدہ ہیں جس سے یہ مراد ہے، کہ یہ کتاب
شاہی جائزہ میں اتنی مرتبہ لائی گئی، لوح کتاب سے پہلے کے اوراق کے مطالعہ سے ایک دلچسپ بات
یہ مترشح ہوتی ہے، کہ فنِ خطاطی کے شہ پاروں کی قدر وقیمت عہدِ عالمگیری میں کس طرح گھٹتی بڑھتی رہی ہے،
یہی بے نظیر نسخہ جو فتح گولکنڈہ کے وقت دو ہزار روپیہ کی قیمت کا تھا، ۱۱۹۶ھ میں ۲۱۰ روپیہ کا رہ گیا،
۱۲۶۴ھ میں قیمت بڑھکر ۲۵۰ روپیہ ہوگئی، اور آجکل تو اسکی قیمت یقیناً بہت زیادہ ہوگی، زمانہ کے
الٹ پھیر سے یہ نسخہ ایک مشہور و معروف ریاست کے کتب خانہ میں جا پہنچا، جہاں کے حکمراں نے اس کو
ایک خیر خواہ ریاست کو عطا کر دیا، اور اس سے مولوی صاحب نے خرید کر کتب خانہ حبیب گنج
میں داخل کیا،

یہ نسخہ نہ صرف فنِ خطاطی کا بہترین نمونہ ہے، بلکہ مصوری کے لحاظ سے بھی کچھ کم اہم نہیں ہر کل
کتاب اک گلستاں ہے، جس پر موسم بہار آیا ہوا ہے، قلم جلی، کاغذ زرافشاں، عنوان لاجوردی،
طلائی مینا کار، ہر ورق کا حاشیہ رنگ اور انداز میں دوسرے حاشیہ سے مختلف اور تزئین و آرائش
میں بڑھ چڑھکر ہے، عبارت عنوان باب کہیں سپید یعنی موتی کے سفیدے سے لکھی ہوئی، اور کہیں
شنجرفی، ہر باب کے خاتمہ پر ترنج مینا کار طلائی، درمیان کے صفحوں پر بھی اکثر جگہ بہت نفیس اور مختلف الالوان
مینا کاری کی گئی ہے،

سب سے دلچسپ چیز دو تصویریں ہیں، ایک تو مکہ معظمہ کی، دوسری مدینہ منورہ کی، ان کے علاوہ
دو رنگین باغوں کے نقشے ہیں، ان میں سے تین تو اپنی قسم کے نادر الوجود نمونے ہیں، حرمین شریفین کے

اتنے عقیق اور خوبصورت نقشے بہت کم دیکھنے میں آئے ہوں گے، نقشے کے ہر جزو کو بے حد احتیاط اور نفاست سے بنایا گیا ہے، باغوں میں سے ایک نقشہ اپنی قسم کا نرالا ہی ہے، اس میں چار درخت پھلوں سے لدے ہوئے دکھائے گئے ہیں، منصور نادر الزمانی کے گل سوسن کی طرح یہ درختان بابرگ و بار بھی ایرانی مصوری کا ایک خاص پہلو ظاہر کرتے ہیں، جس پر آج تک بہت کم روشنی ڈالی گئی ہے، چوتھی تصویر الحاقی اور بعد کی لگائی ہوئی معلوم ہوتی ہے،

سنہ کتابت کے لحاظ سے بھی گوے وچوگان کا یہ نسخہ اہمیت رکھتا ہے، یہ نسخہ ۹۲۶ھ یعنی مصنف کی وفات کے ۲، سال بعد لکھا گیا ہے، عجائب خانہ لندن کے نسخے پر کوئی سنہ کتابت درج نہیں ہے، اور غالبًا وہ اس کے بعد کا ہوگا، اسلئے قدامت کے لحاظ سے بھی یہ نسخہ عتیقیات میں شامل کرنے کے قابل ہے،

ملا میر علی کا ایک اور کتبہ بھی کتب خانے کی زینت ہے، جس پر چار ترکی مصرعے تحریر کئے گئے ہیں، وصلی زریں طلا کار مینا کار گل کاری، تین حاشیے، اور ان میں سے ہر ایک مینا کار گلکار اور طلائی حاشیہ سوئم چند اشعار فارسی خفی قلم میں اسکی پشت پر ایک تصویر گل سوسن کی ہے، جس پر عمل بندۂ درگاہ نادر العصری منصور نقاش جہانگیر شاہی لکھا ہوا ہے، منصور دربار جہانگیر کا مشہور و معروف مصور تھا، اور آجکل بالعموم اسکے قلم سے جانوروں اور پرندوں کی تصویریں ملتی ہیں، مگر یہ فخر اس کتب خانے کو ہی حاصل ہوا، کہ منصور کی قلم کے پھول پہلی دفعہ دنیاے نقاشی کے سامنے پیش کئے گئے، مسٹر مہتہ آئی سی ایس جنکو ہندوستانی مصوری سے شغف ہے، اور وہ اس پر کئی مبسوط کتابیں بھی لکھ چکے ہیں، مصوری کے اعلیٰ نمونوں کی تلاش میں حبیب گنج گئے تھے، اور منصور کے اس شہ پارہ پر انھوں نے فن مصوری کے رسالے روپم کلکتہ میں ایک مضمون بھی لکھا تھا، اس تصویر میں گل سوسن کو تین حالتوں میں دکھایا گیا ہے، ایک کلی، دوسرا نیم باز، تیسرا پورا کھلا ہوا پھول مع پتیوں کے، یہ تصویر کچھ جہانگیر کے دربار ہی کے لئے زیبا تھی، جس شوق اور دلچسپی سے جہانگیر اپنی تزک میں پھولوں کا ذکر کرتا ہے، اس سے یہی اندازہ لگایا جا سکتا ہے، کہ اسکے منظور نظر مصور نے گلہائے رنگین کی مصوری سے دربار کو ضرور ایک تختۂ باغ بنا دیا ہوگا، مگر زمانہ کی غارتگریوں کی وجہ سے صرف یہی تصویر اس صناع کے کمال کی یادگار رہگئی ہے، مصور نے جاندار اشیاء کا تخیل اس تصویر میں بھی نہیں چھوڑا، دو تیتریاں نہایت لطافت سے بنائی گئی ہیں، ایک نیلی اور دوسری ملگجی، پھولوں کی مصوری کا رواج اسوقت ایران میں بھی تھا، بنیون کی کتاب مسلمان پینٹنگ میں ایک گل نرگس شفیع عباسی کی قلم سے ہے، تیتریاں اس میں بھی موجود ہیں،

مضمون بالا میں گوے وچوگان اور کتبے کی جزئیات اور تفصیلات اگرچہ ذاتی مشاہدہ کی بنا پر ہین، مگر اس میں بہت سا حصہ مولوی صاحب کی خود تیار کردہ فہرست کتب خانہ سے لیا گیا ہے، فہرست کے عنوانات ان کے خود ایجاد کردہ ہیں، اور اب تک میرے محدود تجربے میں تو کسی مشرقی کتب خانے کی ایسی فہرست نہیں گذری، جسکی روح اتنی مشرقی ہو، اور جس کے عنوانات منتخب کرنے میں اسلامی علوم و فنون لطیفہ کا اسقدر لحاظ رکھا گیا ہو، مولوی صاحب موصوف نے جو کچھ بھی کتاب کے قرطاس، خطاطی، جلد، سنہ کتابت کی بابت لکھدیا ہے، وہ اس پر آخری اور حتمی راے ہے، مین نے اپنے مختصر قیام حبیب گنج مین ان کی ذات بابرکات سے بہت کچھ سیکھا ہے،

کتاب تقویم الابدان

از

جناب مولوی عبداللہ صاحب چغتائی

ستمبر ۱۹۳۰ء کے معارف میں جناب سید سلیمان صاحب ندوی نے ایک مضمون بعنوان "سفر گجرات کی چند یادگاریں" حوالۂ قلم کیا ہے، جس سے بہت سے امور پر مفید معلومات کا اضافہ ہوا ہے، جہاں انکلیشور کا ذکر کیا ہے، وہاں لکھتے ہیں:-

"عربی کتابوں میں سے سب سے نادر چیز یہاں قدیم طب کی ایک کتاب تقویم الادویہ ہے، اس کا سال کتابت ۵۸۸ھ ہے نسخہ بخط عربی شیرۂ خرما سے لکھا ہوا ہے، اور اب تک اچھی حالت میں ہے"

منجملہ اور کتابوں کے یہ کتاب بھی مجھے دسمبر ۱۹۲۳ء میں اپنے مخلص دوست سید سراج الدین ناگامیان کے ہمراہ ان کے عزیز جناب سید حیدر علی انعامدار صاحب کے ہاں دیکھنے کا اتفاق ہوا تھا، اس وقت اس سے کچھ یادداشتیں میں نقل کر لی تھیں، میرے خیال میں قبلہ سید سلیمان صاحب نے اسے بادی النظر میں کوئی اہمیت نہیں دی[1]، یہ کتاب مصنف اور نفس کتاب کی حیثیت سے بہت اہم معلوم ہوتی ہے، عبارت ذیل اس کے سرورق پر عمدہ خط نسخ میں درج ہے:-

"کتاب تقویم الابدان واسباب کل مرض وعلامته ورتبه یحیی بن عیسی بن جزلہ رحمۃ اللہ تعالیٰ لجمیع المومنین وصاحبہ وکاتبہ الفقیر

[1] معارف:- یہ بدگمانی آپ کو کیسے ہوئی،

الی رحمۃ اللہ تعالیٰ وغفر ذنبہ المتمسک باذیال فضلہ واحسانہ حمید بن عمر بن عبد الجبار الوبرزقینی کتبہ لنفسہ فی سنۃ ثمان وثمانین وخمس مائۃ"

اس مختصر عبارت سے ہمیں اس کتاب کا نام تقویم الابدان الخ، اسکے مصنف کا نام یحیی بن عیسی ابن جزلہ اور کاتب کے نام اور تاریخ کتابت کی اطلاع ملتی ہے، جب ہم اس تالیف اور اسکے مصنف کی دوسری کتب تاریخ حکماء میں تلاش کرتے ہیں، تو سب سے پہلے ہماری نظر حال ہی کی شائع شدہ تتمہ صوان الحکمۃ از پروفیسر محمد شفیع پر پڑتی ہے، اگرچہ اس کے شائع ہونے سے ہماری معلومات میں بہت مفید اضافہ ہوا ہے، مگر افسوس کہ اس میں یحیی بن عیسی جزلہ اور اسکی تصنیف کا ذکر نہیں ہے، لیکن اخبار العلماء باخبار الحکماء قفطی میں ذیل کے الفاظ میں دونوں کا ذکر ملتا ہے، (مطبوعہ مصر صفحہ ۲۳۹-۴۰)

"(یحیی بن عیسی بن جزلہ) ابو علی الطبیب البغدادی النصرانی نے اپنے معاصرین اطباء نصاری کرخ سے علم طب کو پڑھا، اس نے علم منطق پڑھنے کا ارادہ کیا لیکن ان نصاری میں اسوقت کوئی اس درجہ کا نہ تھا، شیخ معتزلہ ابو علی ابن الولید نے اسی موقع پر ذکر کیا ہے، اور اس کی توصیف بیان کی ہے، کہ وہ علم الکلام کا عالم تھا، الفاظ منطقیہ جو منطق کے پڑھنے والوں کے لئے ضروری ہیں، ان کی معرفت سے واقف تھا، ابن الولید اسکو دعوتِ اسلام دیتا رہا، دلالاتِ واضحہ کی شرح کرتا رہا، اور براہین کو بیان کرتا رہا یہانتک کہ اُسنے قبول کر لیا، اور مشرف باسلام ہوا، قاضی القضاۃ قاضی ابو عبداللہ الدامغانی اسکے اسلام کی خبر سنکر بہت خوش ہوئے اس نے طب میں ان کی خدمت کی تھی جس کی وجہ سے اس نے بہت بڑا درجہ حاصل کیا، وہ بغیر اجرت کے کام کرتا تھا، اور بغیر معاوضہ کے ادویات دیتا تھا، جب اس کے انتقال کا وقت قریب آیا، تو اس نے اپنی کتب کو مشہد امام ابو حنیفہ میں وقف کر دیا، چنانچہ ابن جزلہ کا انتقال ۴۹۳ھ میں ہوا"

اس کی مشہور تصانیف میں سے کتاب المنہاج فی الاغذیہ، کتاب الادویہ، اور کتاب تقویم الابدان مجدول ہیں؛

ان متذکرۂ بالا تالیفات ابن جزلہ میں سے اخیر کتاب تقویم الابدان وہی ہے، جو اسوقت انگلیشور میں موجود ہے،

کشف الظنون میں اسی تاریخ کا ذکر یوں ملتا ہے :۔

تقویم الابدان فی تدبیر الانسان فی الطب لابی حسن علی یحیٰ بن عیسیٰ بن جزلہ المطبب البغدادی المتوفی سنہ ۴۹۳ھ مجلدًا اولہ :۔ الحمد للہ الذی خلق فسوی الخ صنفہ مجدولاً کالتقویم النجوم للمقتدی بامر اللہ العباسی وجعل مواضع الاجتماع والاستقبال تسمۃ الامراض الخ

شکر کا مقام ہے کہ ابن جزلہ اور اس کی تالیف دونوں کے حالات ہمکو تقویم الابدان میں میسر آگئے، مگر کشف الظنون کے بیان میں اور قفطی کے نام کتاب اور تاریخ وفات میں کچھ تھوڑا سا فرق ہے، میرا خیال ہے کہ حاجی خلیفہ کے زمانہ میں یا تو اس کو یہی اطلاع میسر آئی، یا طباعت کی غلطی ہے، بہرحال زیادہ صحیح نسخہ انگلیشور کا ہے، جو کشف الظنون سے کئی صدی قبل اور مولف کے قریب ایک صدی بعد کا ہے،

آخر میں ایک بات کی طرف توجہ دلانی ضروری معلوم ہوتی ہے، کہ ہندوستان بھر میں یہ حصہ گجرات ایسا ہے، کہ جہاں ابھی تک گنج کے طور پر ایسے قدیم کتب خانے ہیں جہاں بے شمار علمی نوادر موجود ہیں، میں نے اپنی آنکھوں سے کھمبائت دھولقہ چمپانیرا در سومنات وغیرہ میں دیکھے ہیں، جن پر مستقل مضامین لکھے جا سکتے ہیں، اور یہی حصے زیادہ تر قدیم تمدن اسلامی سے مملو ہیں،

معارف :۔ ابن جزلہ کا حال ابن ابی اصیبعہ نے اپنی کتاب طبقات الاطباء میں بھی لکھا ہے، جس

کا ترجمہ یہ ہے :۔

ابن جزلہ کا پورا نام یحیٰ بن عیسیٰ بن علی بن جزلہ ہے، مقتدی بامر اللہ کے زمانہ میں تھا، اپنی بہت سی تصنیفات اُسنے مقتدی کے نام سے منسوب کیں، فن طب اور اسکے عمل میں مشہور تھا، ابو الحسن سعید بن ہبۃ اللہ کا شاگرد تھا، فن ادب پر بھی اس کی نظر تھی، نہایت اچھا خوشنویس تھا، میں نے اس کے قلم کی لکھی ہوئی خود اس کی اور دوسروں کی متعدد تصانیف دیکھی ہیں جو اسکے فن خطاطی کے کمال پر دلالت کرتی ہیں، مذہبًا نصرانی تھا، پھر مسلمان ہو گیا، اور نصاریٰ کے رد میں ایک رسالہ لکھ کر الیا القس کے پاس بھیجا، اس کی متعدد تصانیف ہیں، کتاب[1] تقویم الابدان، منہاج[2] البیان فیما یستعملہ الانسان، (یہ دونوں کتابیں مقتدی کے لئے لکھی تھیں)، کتاب[3] الاشارہ فی تلخیص العبارۃ، کتاب تقویم الابدان کی تلخیص[4] مایستعمل من القوانین الطبیۃ فی تدبیر الصحۃ وحفظ البدن ایک[5] رسالہ طب کی مدح شرع سے اس کی موافقت اور ان لوگوں کے رد میں جو شرعی حیثیت سے اس پر طعن کرتے ہیں، ایک[6] رسالہ نصاریٰ کے رد میں جسے ۴۶۶ھ میں الیا القس کے پاس بھیجا تھا (طبقات الاطباء جلد اول ص ۲۵۵)

تلخیص و تبصرہ

جمہوریۂ روس

روس میں جو تبدیلیان حال میں ہوئی ہین، اُن پر کارل راڈک (Karl Radek) کا ایک مضمون رسالہ ورلڈ ریویو (اکتوبر ۳۶ء) میں شائع ہوا ہے، مقالہ نگار اسوقت روس کا سب سے زیادہ ممتاز صحافی خیال کیا جاتا ہے، اور وہ اس کمیٹی کا ممبر بھی رہ چکا ہے، جس نے اسٹالن کی صدارت میں سویٹ روس کا جدید دستور مرتب کیا ہے، کارل راڈک کی ذمہ دار شخصیت کے لحاظ سے ہم اس کے مضمون کی تلخیص ذیل میں درج کرتے ہیں:-

روس کے نئے دستور کا مسودہ جو اسوقت جمہور کے سامنے بحث و مباحثہ اور اظہار رائے کی غرض سے پیش کیا گیا ہے، در اصل ان تغیرات کا ترجمان ہے، جو سنین گذشتہ میں روس میں رونما ہوئے ہیں، مجوزہ دستور کی اہمیت کا اندازہ انہی تغیرات کو پیش نظر رکھنے سے ہو سکتا ہے،

یہ تغیرات کیا ہیں؟ پہلا تغیر یہ ہے کہ ایک زراعتی ملک صنعتی ملک بن گیا ہے، بالکل جدید بنیاد و ن پر صنعت و حرفت کی ایک عظیم الشان عمارت کھڑی ہو گئی ہے، صرف یہی نہیں کہ کارخانوں میں مزدورون کی تعداد زیادہ ہو گئی ہے، اور ان کی استعداد فنی میں بھی اضافہ ہو گیا ہے، بلکہ جو چیز سب سے زیادہ اہم ہے وہ یہ ہے کہ صنعتی پیداوار زراعتی پیداوار سے بڑھ گئی ہے، اس صنعتی ترقی سے نہ صرف مزدورون کی حالت روز بروز بہتر ہوتی جا رہی ہے، بلکہ زبردست زراعتی ترقی کے وسائل بھی فراہم ہو گئے ہین،

یہ اسی کا نتیجہ ہے، کہ حکومت کی طرف سے غلہ اور مویشیون کی پیداوار کے لئے بڑے بڑے مرکز قائم کر دیے گئے ہیں، اور کسانون کی بڑی اکثریت نے بڑے پیمانہ پر زراعت کرنے کے فوائد کو سمجھ کر متحدہ معیشت کو عملی شکل دیدی ہے، اگر یہ بات پیش نظر رکھی جائے، کہ زمین اور کارخانون کی مالک حکومت ہے، تو ان تبدیلیوں کا حاصل یہ نکلتا ہے، کہ زراعت ایک اشتراکی صنعت بنا دی گئی ہے،

دیہاتوں میں نہایت پیچیدہ مشینون کو رائج کرنا، بجلی اور ریڈیو کو جاری کرنا، کسانوں کی ایک بڑی تعداد کو جدید ترین آلات کے استعمال کی تعلیم دینا، جدید حالات زندگی نیز تعلیمی نظام اور اخبارون کی تعداد میں زبردست ترقی کی وجہ سے دیہاتوں میں تہذیب و تمدن کا ترقی پذیر ہونا، ان تمام باتوں نے کارخانون کے مزدورون، اور مشترکہ مزرعون کے کسانون کو متحد کر کے ایک رشتہ میں منسلک کر دیا ہے،

ان اقتصادی اور اجتماعی تغیرات نے زندگی کے دوسرے شعبون میں بھی تبدیلیاں پیدا کر دی ہیں، چنانچہ مزدورون اور کسانون کے طبقہ میں ایک جدید تعلیم یافتہ جماعت پیدا ہو گئی ہے، جو لاکھون کی تعداد میں ہے، اور انقلاب سے نہایت شدت کے ساتھ وابستہ ہے، اقتصادی عہدے مثلاً انجینیری، کاریگری، نیجری وغیرہ اور سرکاری عہدے اسی طبقہ کے افراد سے پُر ہین، یہ جدید تعلیم یافتہ طبقہ انقلاب کی پیداوار ہے، لیکن دور زاریت کا قدیم تعلیم یافتہ طبقہ بھی گذشتہ اٹھارہ سال کے حالات و واقعات کو سمجھنے سے قاصر نہیں رہا، اس نے نہ صرف یہ دیکھ لیا، کہ سویٹ حکومت کو زیر و زبر کرنے کی تمام کوششیں بیکار ثابت ہوئین، بلکہ یہ بھی دیکھ لیا، کہ موجودہ نظام حکومت میں روس کی مادی اور تمدنی حالت روز بروز ترقی کرتی جا رہی ہے، اس نے محسوس کر لیا ہے کہ اجتماعی ترقی کے لئے سائنس حد درجہ معین ہے، اور حکومت سائنس کی ترقی میں حتی الامکان پوری کوشش کر رہی ہے، چنانچہ قدیم تعلیم یافتہ طبقہ کی اکثریت مزدورون اور کسانون سے

قریب تر آگئی ہے،

صنعتی ترقی کے باعث سوویٹ حکومت نے ان طبقوں کو بھی شاہراہ ترقی پر لا کھڑا کر دیا ہے جو زاریت کے دور میں پست حالت میں پڑے ہوئے تھے، چنانچہ کوہ قاف، وسط ایشیا اور سائبیریا میں صنعت و حرفت کو بہت کچھ ترقی دی گئی ہے، مثلاً باکو میں تیل کے کارخانے اور وسط ایشیا میں آبپاشی کی ترقی اور پارچہ بافی کے بڑے بڑے کارخانے اس امر کا کافی ثبوت ہیں کہ سوویٹ حکومت نے دورِ سابق کی پست اقوام کی تمدنی سطح کتنی بلند کر دی ہے،

جدید دستور انہی واقعات سے نتائج اخذ کرتا ہے، بولشویک لوگوں نے طبقہ ادنیٰ کی آمریت کو ہمیشہ عوام ہی کی حکومت سے تعبیر کیا، تاہم ابتداء میں اس بات کی ضرورت محسوس ہوئی کہ سوسائٹی کے ان طبقوں کو عارضی طور پر جمہوری حقوق سے محروم کر دیا جائے، جو انقلاب میں سب کچھ کھو بیٹھنے کی وجہ سے اشتراکیت کے قیام کی ضرور مخالفت کرتے، دوسرے یہ کہ چونکہ اشتراکیت کے لئے جد و جہد کا ابھی آغاز ہی تھا، اور نتائجِ انقلاب کے ظاہر ہونے تک شدید دشواریوں پر قابو پانا ضروری تھا، اسلئے کسانوں کی ایک معتد بہ جماعت کا تذبذب ناگزیر تھا، لہذا اشتراکیت کی تحریک کو مستقل راستہ پر لگا دینے کے لئے ضرورت تھی کہ مزدوروں کے طبقہ کو جو اشتراکی نظام کا حامی اور مددگار تھا، سوویٹ انتخابات میں کچھ خاص حقوق دیدیئے جائیں، لیکن اب نہ تو اس کی ضرورت باقی رہ گئی ہے، کہ پہلے جو طبقہ جائداد ون کا مالک تھا، اس کو انتخابی حقوق سے محروم کیا جائے اور نہ اس کی ضرورت ہے کہ مزدور پیشہ جماعت کو مخصوص انتخابی مراعات عطا کی جائیں، شہر کے متوسط طبقہ کے لوگ مثلاً تاجر وغیرہ اور سابق زمیندار جو اب سوویٹ روس میں باقی رہ گئے ہیں، ان کی تعداد بہت کم ہے، اور وہ ایک طویل مدت سے اجرت پر کام کر رہے ہیں،

آبادی کی بڑی اکثریت مختلف مذہبی فرقوں کے پادریوں کے اثر سے نکل گئی ہے، اور مدتوں ر

پران پادریوں کا اقتدار باقی نہیں رہا، کولکس (Kulakhs) کا متوسط طبقہ جو سرمایہ دار کسانون کا طبقہ تھا، اور ایک کثیر تعداد پر مشتمل تھا، ختم ہو چکا ہے، اور اسے از سر نو تعلیم دی گئی ہے، انقلاب کے خلاف جو اندرونی قوتیں کام کر رہی تھین، ان کا خاتمہ کر دیا گیا ہے، لیکن اشتراکیت جس کی فتح و کامرانی آج مسلّم ہے، اپنے دشمنوں سے انتقام نہیں لے رہی ہے، حقوقِ انتخاب سب کو دیدئے گئے ہین، اس کی وجہ سے مواقع سب کے لئے یکساں ہین، اور وہ لوگ بھی فائدہ اٹھا سکتے ہین، جو کبھی دوسروں کو اپنا آلۂ منفعت بنائے ہوئے تھے، ان حقوق سے وہی لوگ محروم ہیں، جنکے طرزِ عمل کو عدالت نے سوسائٹی کے مفاد کے لئے مضر قرار دیا ہے،

اس میں شبہہ نہیں کہ مشترکہ مزرعوں کے کسان بھی مزدور پیشہ جماعت کی طرح صنعتی ترقی کے خواہشمند ہیں، وہ سرخ فوج کو بھی زیادہ مضبوط کرنا چاہتے ہین جس میں زیادہ تر انہی کے لڑکے شامل ہین، یہ لوگ سوویٹ حکومت اور اشتراکی نظام کے ایسے زبردست حامی ہیں، کہ اشتراکیت کو ذرا بھی نقصان نہ پہنچے گا، اگر کسانوں کو رائے دہندگی کے بالکل وہی حقوق دیئے جائیں، جو مزدوروں کو حاصل ہیں، اس میں بھی شبہہ نہیں کہ مزدوروں کے تعلیم یافتہ طبقہ کی اکثریت اشتراکیت کو مضبوط کرنا چاہتی ہے، کیونکہ اشتراکیت انکی فلاح وبہبود کا بہت زیادہ خیال کرتی ہے، اور اسکے دور میں سائنس کو ہر سال ترقی ہو رہی ہے،

تمام باشندوں کو جن کی عمرین اٹھارہ سال سے کم نہیں ہیں، رائے دہندگی کا حق دیدیا گیا ہے، اور وہ ہر چھوٹے بڑے عہدوں کے انتخاب میں رائے دیسکتے ہیں، پریس کی آزادی، تقریر و اجتماع کی آزادی، جلوس و مظاہرہ کی آزادی، ٹریڈ یونین کو اپریٹیو سائنٹفک اور اسی قسم کی دوسری سوسائٹیوں کے قائم کرنے کی آزادی، اس جمہوریت کے بنیادی عناصر ہیں، جدید دستور نے سوویٹ یونین کے انتخابی عہدوں کے لئے امیدوار پیش کرنے کا حق صرف کمیونسٹ پارٹی کی انجمنوں ہی کو نہیں، بلکہ جمہور کی

تمام انجمنوں کو دیدیا ہے،

انقلاب کے ابتدائی زمانہ میں چونکہ حالات تیزی کے ساتھ بدل رہے تھے، اس لئے قوانین بھی جلد جلد شائع کئے گئے، اور تبدیل ہوتے رہے، لیکن اب جب کہ بنیادی مسائل طے ہوچکے ہیں، ضرورت ہے، کہ اس صنعتی ملک کے پیچیدہ اقتصادی حالات کا لحاظ کرتے ہوئے مناسب قوانین مرتب کئے جائیں، اس دستور کی رو سے مجلس قانون ساز صرف دو ایوانوں پر مشتمل ہوگی، ایک مجلسِ اتحاد (Council of the Union) اور دوسرے مجلسِ اقوام (Council of Nationalities) مجلسِ اتحاد میں ہر شخص کو مساوی طور پر براہ راست راے دینے کا حق حاصل ہوگا، مجلسِ اقوام کے ارکان مختلف قومی جمہوریتوں کے نمایندے ہوں گے، قوانین صرف انہی دونوں ایوانوں کے فیصلہ سے وضع ہوسکین گے،

"ع ز"

امریکہ میں اعلی تعلیم کا مسئلہ

امریکہ کے ماہرین تعلیم کے سامنے اس وقت یہ مسئلہ زیر بحث ہے، کہ ریاست ہاے متحدہ کا موجودہ تعلیمی نظام کہاں تک مناسب ہے، اور اعلی تعلیم کے نصاب میں اصلاح و ترمیم کی کس حد تک گنجایش ہے، اس مسئلہ میں ماہرین کی دو مخالف جماعتین قائم ہوگئی ہین، اور درجنوں کتابیں موافقت اور مخالفت میں لکھی جاچکی ہیں، ایک طرف وہ لوگ ہیں، جن کا خیال ہے، کہ امریکن یونیورسٹیوں میں فنی (VOCATIONAL) تعلیم پر اس قدر زور دیا جانے لگا ہے، کہ اب وہ مختلف پیشوں اور تجارتوں کی تعلیم گاہیں ہوکر رہ گئی ہیں، یہ لوگ چاہتے ہین، کہ یونیورسٹیوں میں خالص عقلی اور علمی تعلیم دی جائے، دوسری طرف اکثریت ان لوگوں کی ہے جو موجودہ نظامِ تعلیم کے حامی ہیں، اس بنا پر کہ یہ نظام قوم کے لئے مفید اور کارآمد ہے،

اس دوسری جماعت میں سب سے زیادہ ممتاز شخصیت ڈاکٹر وہائٹ ہیڈ (Alfred North Whitehead) کی ہے، جو ہارورڈ یونیورسٹی کے شہرۂ آفاق استاذِ فلسفہ ہیں، موصوف کی رائے ہے، کہ اگر یونیورسٹیاں فنی تعلیم میں ذرا بھی تخفیف کردینگی، تو یہ ان کے لئے حد درجہ مضرت رساں ہوگا،

اصلاح کے حامیوں میں پہلا نام ڈاکٹر ہچنس (Robert Hutchins) صدر شکاگو یونیورسٹی کا ہے، ان کے نزدیک یونیورسٹی کی تعلیم میں مابعد الطبیعیات (Metaphysics) کو اساس قرار دینا چاہئے یعنی تمام علوم کے بنیادی اصولوں کی تعلیم دینی چاہئے، تاکہ علم کی تمام مختلف شاخوں میں ربط و اتحاد پیدا ہوسکے، اسکے لئے ان کے خیال میں یہ ضروری ہے، کہ کالج کے نصاب میں جو مضامین خالصًا کسی پیشہ یا فن سے تعلق رکھتے ہیں، وہ نکال دیئے جائیں، کیونکہ عملی علوم کا باہمی اختلاف و تغایر تعلیمی انتشار کا سب سے بڑا سبب ہے،

اسوقت تک یونیورسٹیوں میں تعلیم تین مختلف طریقوں سے دیجاتی رہی ہے:- (۱) مذکورۂ بالا مابعد الطبیعیاتی طریقہ (۲) دینی طریقہ (۳) افادی طریقہ، جس پر امریکہ کے موجودہ تعلیمی نظام کی بنیاد ہے، ڈاکٹر موصوف کی رائے ہے، کہ آج افادی طریقہ کے بجائے جو طریقہ اختیار کیا جاسکتا ہے، وہ صرف مابعد الطبیعیاتی طریقہ ہے، کیونکہ دینی طریقۂ تعلیم کے لئے ضروری ہے کہ اس مذہب پر لوگ عام طور پر قوی اعتقاد بھی رکھتے ہون، قرون وسطی کی یوروپین یونیورسٹیوں کی بنیاد دینی طریقہ پر تھی، آج بھی مسلمانوں اور یہودیوں کا تعلیمی نظام اسی دینی طریقہ پر قائم اور کامیاب ہے، کیونکہ ان کے طلبہ اپنے مذہبی اصولوں کے اب بھی پابند ہین،

ڈاکٹر ہچنس کے نزدیک مستقبل کے لئے بہترین یونیورسٹی جو ہوسکتی ہے، اسکا خاکہ یہ ہے:-

۱- کالج کے موجودہ چہار سالہ نصاب سے ابتدائی دو سال خارج کردیئے جائیں، اور انھیں ہائی اسکول کے آخری دو سالوں میں شامل کرکے ایک طرح کا جونیر کالج (junior College)

قائم کردیا جائے،

۲- اعلیٰ تعلیم کے لئے کالج کا نصاب تین سال کا کر دیا جائے، پہلے مابعد الطبیعیات کی تعلیم دیجائے تاکہ تمام علوم کے بنیادی اصول ذہن نشین ہو جائیں پھر علوم عمرانیہ کی جو انسانوں کے باہمی تعلقات سے بحث کرتے ہیں، پھر اُن علوم کی جن کا تعلق انسان اور فطرت سے ہے، تعلیم میں اس بات پر ہمیشہ نظر رکھی جائے، کہ ان تینوں قسم کے علوم کا تعلق ایک دوسرے کیساتھ کیا ہی،

۳- اس نصاب سے فنی اور تجارتی تعلیم یک قلم خارج کر دیجائے، مختلف پیشوں اور تجارتوں کیلئے مخصوص تعلیم گاہیں، علٰحدہ قائم کیجائیں،

ڈاکٹر موصوف موجودہ امریکن یونیورسٹی کو ایک انسائیکلوپیڈیا سے تشبیہ دیتے ہوئے کہتے ہیں:-

"انسائیکلوپیڈیا میں بہت سے حقائق ہیں، لیکن اسکی وحدت صرف اس کی ابجدی ترتیب میں ہے، موجودہ یونیورسٹی کا حال بھی ایسا ہی ہے، اس میں آرٹ (Art) سے لیکر حیوانیات (Zoology) تک مختلف شعبے ہوتے ہیں، لیکن نہ تو طلبہ اور نہ خود اساتذہ یہ جانتے کہ کسی ایک شعبہ میں ایک حقیقت کا تعلق دوسری حقیقت سے کیا ہی، یا ایک شعبہ کے حقائق کا تعلق دوسرے شعبہ کے حقائق سے کیا ہو سکتا ہی"

موصوف لکھتے ہیں، کہ ہماری تعلیمی نظام میں عملی فنون کا زور ہر جگہ نظر آرہا ہی، اسکا نتیجہ بھی ظاہر ہے یعنی ہلکا پن اور سطحیت امریکہ کی ایک یونیورسٹی نے موٹر چلانے کا فن چند روز ہوئے نصاب میں داخل کر لیا ہی، اخباروں میں یہ اطلاع بھی آچکی ہی، کہ پبلک اسکولوں کے نصاب میں سائکل چلانے کا فن داخل ہونے والا ہے، اس کے لئے کوشش کیجا رہی ہی، ڈاکٹر ہچنس کے نزدیک مستقبل کی یونیورسٹی تمامتر علمی اور عقلی یونیورسٹی ہوگی فنی اور تجارتی تعلیم اس میں نہ دیجائیگی، ان کا عقیدہ ہے کہ یونیورسٹی کا تعلق تخیل (Thought) سے ہی، اور اسمیں قدیم یا موجودہ زمانہ کی معلومات کو جمع کرنا ایک بے معنی سی بات ہی، بجز اس صورت کے کہ ان معلومات سے مقدمات کا کام لیا جائے، اور اصولوں کی تشریح و تصدیق میں ان سے مدد ملے، (ل۔ ڈ)

جراثیم اور انکی عالمگیری کا امکان،

جراثیم میں بھی افزائش نسل ہوتی رہتی ہی، لیکن توالد و تناسل کے طریقہ سے نہیں، بلکہ اس طرح کہ وہ ٹکڑے ہو کر ایک کے دو ہو جاتے ہیں، ساتھ ہی ساتھ ان میں فطری تبدیلی بھی واقع ہوتی رہتی ہی، ان تبدیلیوں کو منازلِ ارتقاء سے تعبیر کر سکتے ہیں، سائینٹفک تحقیقات سے اب یہ بات ثابت ہو چکی ہی کہ جراثیم اپنی فطرت بدلتے رہتے ہیں، اسکی ایک واضح مثال چیچک کے جرثومہ کی ہی، ایک زمانہ میں چیچک نہایت مہلک بیماری تھی، لیکن جہاں تک انگلستان کا تعلق ہی، جس جرثومہ سے بیماری پیدا ہوتی ہی، اُس کی سمیت میں اب بہت کچھ تخفیف ہو گئی ہی، اور انگلستان کی چیچک بہ نسبت پہلے کے بہت ہلکی ہو گئی ہی، شبہہ کیا جا سکتا ہے کہ خود لوگوں کے اندر مرض کا مقابلہ کرنے کی قوت زیادہ پیدا ہو گئی ہے، یعنی تبدیلی انسانوں میں ہوئی ہی نہ کہ جراثیم میں، لیکن یہ صحیح نہیں، مشرق کی چیچک اب بھی ویسی ہی شدید ہے، جیسی پہلے تھی، اور جب وہاں کا کوئی مریض بندرگاہ کے ڈاکٹروں سے بچکر انگلستان میں داخل ہو جاتا ہے تو تعدیہ کا خطرہ ویسا ہی ہوتا ہی جیسا پہلے تھا، اس سے معلوم ہوتا ہی کہ انگلستان کی چیچک کے جراثیم ہی میں کوئی تبدیلی واقع ہو گئی ہی، لیکن اگر تبدیلی کے ذریعہ بعض جراثیم کی سمیت میں تخفیف ہو سکتی ہی، تو یہ بھی ممکن ہی کہ بعض دوسرے جراثیم کی سمیت میں اضافہ ہو جائے، ایک جرم کی اوسط زندگی تقریباً بیس منٹ ہوتی ہی، اسکے بعد وہ ٹکڑے ہو کر دو ہو جاتا ہی، اس حساب سے ۲۴ گھنٹوں میں بہتر پشتیں پیدا ہو جاتی ہیں، اور تبدیلی کیلئے بہت کچھ موقع رہتا ہے، اگر اس تبدیلی سے سمیت میں زیادتی ہو جائے، تو دنیا کے لئے خطرہ کا امکان بھی بڑھ جائیگا، ہوائی جہازوں کی وجہ سے بیماریوں کے پھیلنے کا اندیشہ بڑھتا جاتا ہی، اور خطرہ ہے کہ جو بیماریاں ابھی کسی ایک مقام میں پائی جاتی ہیں، وہ جلد دوسرے حصوں میں بھی پھیل جائیں گی، مثلاً زرد بخار جو اسوقت مغربی افریقہ کی سب سے بڑی وبا ہے، اور ملیریا سے دس گنا زیادہ خطرناک ہے، ہوائی جہازوں کے ذریعہ اپنی مدتِ تعدیہ یعنی چار یا پانچ روز کے اندر آسانی سے ایشیا پہنچ سکتا ہی جو ابتک اس وبا سے بالکل محفوظ ہی،

"(ع ز)" (ج۔ ل۔ و)

اخبارِ علمیہ

دماغی امراض کا نفسیاتی علاج،

عہدِ حاضر میں سائنس کی ترقی نے جو نئے علوم و فنون پیدا کر دیئے ہیں، ان میں ایک علم سائکی ایٹری (Psychiatry) کا بھی ہے یعنی دماغی امراض کا نفسیاتی علاج، اس قسم کے علاج کے لئے اب مستقل ادارے قائم ہو گئے ہیں، اور وہ اپنے طریقِ علاج میں کامیاب ہو رہے ہیں، نومبر ۱۹۳۶ء میں واشنگٹن اسکول آف سائکی ایٹری امریکہ کے ماہر فن ڈاکٹر ہیڈلے (Ernest Hadley) نے اپنے چند دلچسپ تجربات بیان کر کے بعض ایسے لوگوں کی طرف سے متنبہ کر دیا ہے، جن سے بظاہر کوئی خطرہ نہیں معلوم ہوتا لیکن جو کسی وقت قتل کے مرتکب ثابت ہو سکتے ہیں، ڈاکٹر صاحب موصوف کا مشورہ ہے کہ جو لوگ بہت مسکین اور متحمل مزاج دکھائی دیتے ہیں، ان سے ہمیشہ ہوشیار رہنا چاہئے، کیونکہ ممکن ہے کہ ان کے اندر دشمنی کے جذبات پوشیدہ ہوں، اور وہ کسی وقت رونما ہو کر ارتکابِ قتل کا باعث بنجائیں، چنانچہ موصوف نے ایک عورت کا حال بیان کیا، جو بظاہر نہایت فرمانبردار تھی، اور جس نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ اپنی بیمار لیکن سخت گیر ماں کی خدمت میں صرف کر دیا تھا، ماں کی خدمت میں وہ اس طرح لگی رہتی تھی، کہ اٹھارہ سال سے کسی سینما اور تھیٹر وغیرہ میں بھی تفریح کے لئے نہیں گئی تھی، پہلے کچھ دنوں وہ اتوار کو گرجا چلی جاتی تھی، مگر بعد کو وہاں کا جانا بھی موقوف کر دیا، اور دن رات ماں ہی کی خدمت میں مصروف رہنے لگی، لیکن ایک روز وہ دفعۃً بھڑک اٹھی، اور ایک کلہاڑی لے کر اپنی ماں کے سر پر

ایسی ماری کہ غریب وہیں ٹھنڈی ہو گئی، اسی طرح ایک دوسری عورت بھی جس کی ماں نے بچپن ہی سے اُسے گھر کی دیکھ بھال میں لگا رکھا تھا، اور وہ تمام دن خانگی امور میں مصروف رہتی تھی، ایک مدت کے بعد اس جذبہ سے مغلوب ہونے لگی، کہ اُسے اپنی ماں کو قتل کر دینا چاہئے، لیکن قبل اس کے کہ وہ اپنے ارادہ کی تکمیل کرے، وہ ڈاکٹر کے پاس چلی گئی، اور نفسیاتی شفاخانہ میں داخل ہو گئی، ڈاکٹر ہیڈلے کی رائے ہے کہ اس قسم کی دبی ہوئی نفرت دراصل بچپن ہی میں پیدا ہو جاتی ہے، اور اندر ہی اندر غیر شعوری طور پر پرورش پاتی رہتی ہے، ہو سکتا ہے کہ بچہ شروع ہی سے اپنی ماں یا دائیوں سے نفرت کرنے لگے، اگر کسی وجہ سے ماں بچہ کی طرف جیسی چاہئے، توجہ نہیں کرتی، تو بچہ اسے فوراً محسوس کر لیتا ہے، اور اس بے توجہی کے جواب میں دودھ یا کھانے سے انکار کر دیتا ہے، کبھی کبھی اس بیزاری کا اثر بڑے ہونے کے بعد بھی باقی رہتا ہے، اور غیر متوقع اوقات میں ظاہر ہو جاتا ہے،

بڑوں کے دلوں میں اس قسم کی بیزاریاں جو قائم ہو چکی ہیں، ان کا رفع کرنا تو محال ہے، لیکن بچوں کی اصلاح کی بہت کچھ توقع ہے، خصوصاً اگر والدین یہ معلوم کرنے کی کوشش کریں، کہ ان کی بیزاریوں کے حقیقی اسباب کیا ہیں، ڈاکٹر موصوف کا تجربہ ہے کہ بچوں کی اصلاح میں سختی کو دخل دینے سے نتیجہ خراب نکلتا ہے، مثلاً اگر کوئی بچہ جھوٹ بولتا ہے تو اُسے جھڑکنا نہیں چاہئے، کیونکہ ایسا کرنے سے وہ اپنے والدین سے نفرت کرنے لگتا ہے، بلکہ نرمی کے ساتھ جھوٹ بولنے کی برائی اسے سمجھا دینی چاہئے، اگر وہ کھاتا نہیں تو جھڑکنے سے اور نہ کھائے گا، بہتر یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو نہ کھانے کا سبب معلوم کیا جائے اسی طرح ہر بات میں نرمی کیساتھ اصلاح کی کوشش کی جائے،

دنیائے جدید کی قدامت

گذشتہ موسم گرما میں ریاستہائے متحدہ امریکہ میں نیو میکسیکو کے قریب ایک نہایت عظیم الشان جانور

کا ڈھانچہ زمین کھود کر نکالا گیا ہے، گردن کے زیرین حصہ نیز دونوں پہلوؤں میں نیزے کی شکل کی پھل
پیوست تھے، یہ پھل اسی قسم کے تھے، جس قسم کے زمانہ قبل تاریخ کے شکاری استعمال کرتے تھے، اور
باوجود ہزاروں برس مٹی میں دبے رہنے کے نئے پھل کی طرح تیز تھے، ماہرین اثریات نے معائنہ کے
بعد فیصلہ کیا، کہ یہ ڈھانچہ عہد یخ کے ہاتھی کا ہے، جو موجودہ زمانہ کے ہاتھی سے کہیں زیادہ بڑا ہوتا
تھا، اب سے بیس ہزار سال پہلے یہ ہاتھی شمالی نصف کرہ کے تمام براعظموں میں پھرا کرتے تھے، اور عہد حجری
میں یورپ کے باشندے ان کا شکار کیا کرتے تھے، چنانچہ فرانس میں بعض پہاڑی غاروں کے اندر انکی
تصویریں ننگی دیواروں میں کھدی ہوئی اب تک ملتی ہیں، ان کی پیٹھ پر کوہان تھے، دانت گھومے ہوئے
تھے، اور جسم پر بڑے بڑے بال تھے، عہد یخ کے گذرنے پر یورپ اور ایشیا کے یہ ہاتھی شمال کی طرف
چلے گئے، اور سائبریا میں قیام پذیر ہوگئے، ان میں سے بے شمار وہاں کے برفستانی دلدلوں میں
پھنس کر جم گئے، اب دس ہزار سال کے بعد بعض وقتاً فوقتاً برف کھود کھود کر نکالے جا رہے ہیں،
اور یہ دیکھ کر حیرت ہوتی ہے کہ جس حال میں وہ دلدلوں میں دھنسے تھے ٹھیک اسی حال میں اب تک
محفوظ ہیں، ان کی کھال، بال، گوشت، یہاں تک کہ پیٹ میں جو غذا اسوقت تک ہضم نہیں ہوئی تھی، وہ
بھی بدستور باقی ہے، اتنا ہی نہیں، بلکہ منہ کے اندر میوہ اور گھاس اور جھاڑیوں کے جو تنکے تھے، وہ بھی
اُسی طرح موجود ہیں، سائبریا کے کسان ان ہاتھیوں کے جسم سے سُرخ گوشت کے بڑے بڑے ٹکڑے
کاٹ کر کتوں کو کھلاتے ہیں، زمانہ قدیم سے سائبریا کے ہاتھی دانت کی تجارت چین اور یورپ سے بہت
زیادہ ہوتی رہی ہے، شمالی روس کے دلدلوں میں سیکڑوں آدمی برف کھود کر ان ہاتھیوں کے دانت
نکالتے رہتے ہیں، لیکن چند سال قبل تک امریکہ میں ان ہاتھیوں کا سُراغ نہیں ملتا تھا، کئی سال سے
ان کے ڈھانچے جنوبی مغربی امریکہ میں ملنے لگے ہیں، پھر بھی ماہرین اثریات کو توقع نہ تھی کہ ہزاروں
برس پہلے انسان بھی امریکہ میں آباد تھے، لیکن نیومیکسکو کے جدید اکتشاف نے اب یہ قطعی طور پر ثابت

کر دیا کہ امریکہ میں انسانی آبادی اسوقت بھی موجود تھی، جب یہ جنگلی ہاتھی وہاں بکثرت پائے جاتے تھے
جس ہاتھی کا ڈھانچہ نیومیکسکو میں برآمد ہوا ہے، اسکے زمانہ کا تخمینہ اب سے دس پندرہ ہزار سال
قبل کیا جاتا ہے،

موسم اور غیر معمولی ذہانت کا باہمی تعلق،

امریکہ کی نیشنل اکاڈیمی آف سائنسز (National Academy of Sciences)
کے ششماہی اجلاس میں جو نومبر ۱۹۳۶ء میں شکاگو یونیورسٹی میں منعقد ہوا تھا، ڈاکٹر ولیم پیٹرسن نے ایک
عجیب و غریب نظریہ پیش کیا، وہ یہ کہ غیر معمولی ذہانت اور موسمی کیفیت کے درمیان کوئی قوی تعلق ہے،
موصوف نے امریکہ کے پچیس ہزار ممتاز آدمیوں کی سوانح عمریوں کا مطالعہ کرنے کے بعد یہ رائے قائم
کی ہے، نیز پاگلوں اور مجرموں کے حالاتِ زندگی پر بھی نظر رکھی ہے، ان کے جمع کردہ اعداد و شمار سے ظاہر
ہوتا ہے کہ جن بچوں کا حمل سال کے نصف اول میں قرار پایا تھا، ان کی دماغی قوت بہ نسبت دوسرے
بچوں کے عموماً زیادہ تھی، اور اُنہی کی تعداد میں وہ لوگ جو غیر معمولی طور پر ذہین تھے، یا جن کا دماغی
توازن درست نہ تھا، زیادہ تر ہوئے تھے، اس قاعدہ کو ریاستہائے متحدہ امریکہ کے اکتیس صدور
پر منطبق کر کے ڈاکٹر موصوف نے دیکھا کہ ان میں سے چھبیس ۲۶ کے حمل سال کے ابتدائی سات مہینوں میں
قرار پائے تھے، اور صرف پانچ کے بقیہ پانچ مہینوں میں، ڈاکٹر صاحب کی رائے ہے کہ ذہانت اور
ذکاوت کا تعلق نہ بیماریوں سے ہے اور نہ دوسرے مخفی اثرات سے، بلکہ تمام تر موسم سے ہے، شمالی نصف
کرہ میں سال کا نصف اول طوفانی زمانہ ہوتا ہے، اور موسمی کیفیت کا اثر اُن بچوں پر بہت زیادہ پڑتا
ہے، جن کے حمل اس زمانہ میں قرار پاتے ہیں، برخلاف اس کے جن بچوں کے حمل سال کے نصف آخر
میں قرار پاتے ہیں، جو نسبتہً پرسکون اور غیر طوفانی زمانہ ہوتا ہے، وہ عموماً خاموش اور دماغی اور جسمانی
دونوں قوتوں کے لحاظ سے اوسط درجہ کے ہوتے ہیں،

"ع ز"

ادبیات

یادگار داغ،

از حضرت متین مچھلی شہری یادگار داغ دہلوی

کون اسیر دام محبت تیرا اے صیاد نہیں
بلبل و قمری کو کیا کہئے سرو کوئی آزاد نہیں

آنکھوں میں آنسو بھی نہیں اب آہ نہیں فریاد نہیں
محو ہوں تیری یاد میں ایسا گویا تو بھی یاد نہیں

گلشن ہو یا کنج قفس مرغ چمن دل شاد نہیں
پھول ستمگر منہ نہیں کرتے خوش ظالم صیاد نہیں

خیر غلط اقرار محبت اچھا وعدہ نباہ کا جھوٹ
دل کا لینا بھول گئے کیا وہ بھی تم کو یاد نہیں

کیا کیا ان کو یاد نہیں ہے صرف مجھی کو بھول گئے
مجھ کو سب کچھ بھول گیا ہے انکے سوا کچھ یاد نہیں

دو کوڑی کا مال نہیں ہے سچ جو شیشہ خالی ہو
پتھر کہئے دل وہ کیا ہے جس میں بتوں کی یاد نہیں

حاصل زیست جسے کہئے وہ تجھ پر مرمٹنا ہے
خاک ہے تیرے کوچہ میں مٹی جس کی برباد نہیں

عشق و جنوں میں ہمت شرط ہے دو دو قصے شاہد ہیں
ہستی کچھ صحرا کی نہیں ہے کوہ کی کچھ بنیاد نہیں

یاد کیا ہو مجھکو ایسی کوئی گھڑی ہے یاد تمہیں،
بھول گیا ہوں تمکو ایسا لمحہ مجھ کو یاد نہیں،

یاس میں تم آئے نہیں تو کیا مطلب ہے عالم ہو
دل کی بستی اجڑ گئی تو دنیا بھی آباد نہیں،

میں تو متین اللہ سے ہر دم ایک صنم کا طالب ہوں
فرماتے ہیں حضرت زاہد تجھکو خدا کی یاد نہیں،

پیام بشیر

از جناب محمد بشیر صاحب بی اے ایل ایل بی ہڈ ماسٹر شبلی جارج ہائی اسکول

نورِ صباح اصل ہو، شمع شب مجاز بن
کعبۂ ذوق و شوق ہو، قبلۂ حسن و ناز بن،

شکوۂ ناز تا بکے، پیکر حسن و ناز بن
برق نظارہ سوز ہو، چشم نظارہ ساز بن،

ساغر و گل میں کچھ نہیں، لالہ و گل میں کچھ نہیں
روح شراب ناب ہو، بوئے چمن طراز بن

درد شفا فروش ہو، داغ جہاں فروز ہو
نالۂ قلب سوز ہو، آہ جگر گداز بن

دل کو یونہی لہو نکر، ذلت آرزو نکر
راز کی جستجو نہ کر، پردہ کشائے راز بن

عقل کا اعتبار کیا، عشق پہ اعتماد کر
یار ہو حیلہ جو اگر، تو بھی بہانہ باز بن

آہ بشیر تا بکے مطرب و نغمہ کی ہوس،
کون و مکان بھی جھوم جائیں تو وہ صدائے ساز بن

آہنگِ تپش

از جناب پروفیسر تپش امرسن کالج، ملتان،

یہ نشو داغ معصیت ہے، یا تاثیر میخانہ
مری توبہ کے ہر ٹکڑے پہ ہے تصویر میخانہ

کہیں واعظ بہک آیا نہ ہو مسجد کے دھوکے میں
کوئی کھڑکا رہا ہے دیکھنا زنجیر میخانہ

ابھی ساغر بکف حوریں چلی آتی ہیں جنت سے
لگا کر دیکھو زاہد سرمۂ تسخیر میخانہ

نہ چھوڑ تکو میری مشت خاک کو بنیاد کعبہ میں
اسے رہنے دو یہ ہے حاصل تعمیر میخانہ

کہاں میں اور کہاں یہ بادہ پیمائی لب کوثر
سفینہ بخششوں کا بن گئی تحریر میخانہ

مری "ہوحق" نے رنگِ قلقل مینا بدل ڈالا — مرے سجدون سے کعبہ تک بڑھی تو قیر میخانہ

وہان دعوے خدائی کے یہان بندے بھی بندے ہیں — وہ قسمت خانقاہوں کی یہ ہے تقدیر میخانہ

تپش آتے ہی بزمِ وعظ میں گھبرا کے کیوں اٹھے،

اترتا ہے کہیں یون نشۂ تقریرِ میخانہ

جامِ صہبائی

جناب عبد السمیع صاحب پال آثر صہبائی ایم اے ایل ایل بی،

دے! بادۂ شوق کا مجھے ساغر دے — اپنی ہی تجلیات مجھ مین بھر دے!

بنکر غمِ عشق تو سما جا مجھ میں ،! — ۱ — میں فانی ہوں مجھ کو جاودانی کر دے!

عصیاں کے نہ داغ دل سے دھوئے تونے — اپنے ہی بلند رتبے کھوئے تونے!

بگڑا نہ کسی کا کچھ بدی سے تیری، — ۲ — ہاں اپنے ہی حق میں کانٹے بوئے تونے!

ہونے دے دل و جگر کا خوں ہونے دے — افلاک کی یورشیں فزوں ہونے دے

کتنا ہے جو سر ترا تو کٹ جائے آثر — ۳ — پر حق کا علم نہ سرنگوں ہونے دے

نیکی کا ہے گر ثمر تو ہے میرے لئے — عصیاں کا ہے کچھ ضرر تو ہے میرے لئے

اللہ کی ذات پر ہے کیا اس کا اثر — ۴ — یہ عقدۂ خیر و شر تو ہے میرے لئے

ہنگامۂ شوکتِ شہی سے نہ ڈرو، — بزمِ جم و شانِ قیصری سے نہ ڈرو

یوں عمر بسر ہو اس صنم خانے مین — ۵ — سب تم سے ڈریں پہ تم کسی سے نہ ڈرو

لے غرقِ نشاط و عیش! اے بادہ پرست! — ہر کیف و سرور کا ہے انجام شکست

سرمستیٔ عشق جاودانی ہے آثر — ۶ — ہیں بے خبرِ خمار مستانِ الست

بابُ التقریظ والانتقاد

گذشتہ ششماہی کے رسائل واخبارات پر گذشتہ پرچوں میں ریویو ہو رہا ہے، جو باقی رہ گئے تھے یا بعد میں نکلے، وہ حسب ذیل ہین ،:-

رسائل،

کائنات (ماہانہ) مرتبہ جناب شوکت تھانوی و فدا احمد صاحب عباسی تقطیع ۲۰×۳۰/۸

حجم ۴۶ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت اوسط، قیمت سالانہ للعہ/ فی پرچہ ۶/ پتہ مرشد آباد بیبس لکھنؤ،

آجکل رسائل کی کمی نہیں، آئے دن رنگ برنگ کے رسائل نکلتے رہتے ہیں، لیکن سنجیدہ اور مفید مقصد رکھنے والے رسائل کی تعداد بہت کم ہے، ایسی حالت میں کائنات کا اجرا ایک مفید اضافہ ہے، عام علمی اور ادبی مقاصد کے ساتھ اس کا سب سے بڑا مقصد اس الحاد، بے دینی اور بے شرمی اور بے حیائی، بلکہ بدمذاقی کا تدارک ہے جو آجکل آزادی خیال اور آرٹ کے نام سے پھیلائی جارہی ہے، اگرچہ یہ شے بالکل نظر انداز کرنے کے لائق تو نہیں ہے، لیکن کچھ بہت زیادہ قابلِ اعتنا بھی نہیں، کہ یہ ان کے نقیبون کے نزدیک بھی مقصود بالذات نہیں ہے، بلکہ آج کل کے "کم مایہ ادب فروشون" نے محض عوام کو اپنی متاعِ کاسد کی طرف متوجہ کرنے کے لئے ان مقبول خیالات کو وسیلہ بنایا ہے، بہت ممکن ہے، کل ان کی جگہ کوئی دوسرا چالو مال پیش کیا جانے لگے، تاہم کائنات کے مقاصد کے مفید ہونے میں کوئی شبہہ نہیں، ابھی اسکو عرصۂ وجود پر آئے ہوئے، صرف دو ہی مہینے ہوئے ہیں لیکن رفتار سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ بہت جلد سنجیدہ رسائل کی صف میں ایک ممتاز جگہ حاصل کرے گا،

عارف (ماہانہ) مرتبہ مولوی عبد الرحمٰن صاحب شوق، تقطیع ۳۰×۲۰/۸ ضخامت ۴۸ صفحات، کاغذ نفیس، کتابت وطباعت پاکیزہ قیمت سالانہ عہ فی پرچہ :- ۲ ؍

پتہ۔ دفتر عارف بل روڈ لاہور،

یہ رسالہ کئی مہینوں سے لاہور سے نکل رہا ہے، ظاہری نفاست وپاکیزگی میں بہت کم رسائل اس کا مقابلہ کر سکتے ہیں، اس کا خاص مقصد مسلمانوں کو مغربی معاشرت کے مسرفانہ مصارف سے بچانا ہے، لیکن مضامین مذہبی، اخلاقی، ادبی ہر قسم کے ہوتے ہیں، مذہبی اور اخلاقی پہلو غالب ہے، قرآنی احکام اور احادیث نبوی کی تشریح التزام کے ساتھ ہوتی ہے، بزرگان سلف کے مختصر حالات بھی اکثر ہوتے ہیں، لیکن مضامین کا معیار ابھی اور بلند کرنے کی ضرورت ہے، تاکہ ظاہر اور باطن میں مناسبت پیدا ہو جائے،

کہکشاں، مرتبہ سید کاظم صاحب دہلوی ادیب عالم، تقطیع ۳۰×۲۰/۸ ضخامت ۴۸ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت معمولی، قیمت سالانہ عہ، رو ساسے ہے، پتہ :- دفتر کہکشاں گلی شاہ تارا، دہلی،

کہکشاں دہلی سے نکلتا ہے، اگرچہ صورۃً کم رو ہے، لیکن معناً ادب وافسانے کا دلچسپ مجموعہ ہے، شروع میں اشخاص، طبقات اور جماعتوں کے نام منظوم پیامات ہوتے ہیں، "پھر گل وریحان" کے ماتحت مختلف مسائل پر اظہار خیال ہوتا ہے، پھر خریداروں کے سوالات اور اس کے جوابات درج ہوتے ہیں، اڈیٹوریل میں اسلامی ممالک کی خبریں ہوتی ہیں، غرض یہ رسالہ مختلف قسم کے معلومات کا دلچسپ مجموعہ ہے،

دریتیم (ماہانہ) مرتبہ محمد رشید خانصاحب تقطیع ۳۰×۲۰/۸ ضخامت ۴۲ صفحات کاغذ کتابت وطباعت نہایت معمولی، قیمت عہ، پتہ :- دفتر انجمن یتیم خانہ، اڈہ ٹکو ور جالندھر،

یہ رسالہ جالندھر کے اسلامی یتیم خانہ کی جانب نکلتا ہے، مضامین عموماً مذہبی اور اخلاقی ہوتے ہیں، کبھی کبھی سبق آموز تاریخی واقعات اور اخلاقی افسانے بھی نظر آتے ہیں، اسکی آمدنی یتیم خانہ پر صرف ہوتی ہے، اسلئے اسکی خریداری ہم خرما وہم ثواب ہے،

اخبارات

ناخدا (ہفتہ وار) مرتبہ مولوی خلیل احمد صاحب فاضل دینیات تقطیع ۳۰×۲۰/۴ ضخامت ۸ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت اوسط قیمت مرقوم نہیں ہے، پتہ :- مولوی گنج لکھنؤ

یہ اخبار عرصہ سے لکھنؤ سے نکل رہا ہے ہمارے پاس حال میں ریویو کے لئے آیا ہے، ہفتہ وار اخبارات میں سے خاصہ اخبار ہے، ہفتہ بھر کی سیاسی خبروں کا خلاصہ دیتا ہے، قابل توجہ واقعات پر تبصرہ ہوتا ہے، کبھی کبھی بعض مفید مضامین بھی ہوتے ہیں،

الہلال (ہفتہ میں دو مرتبہ) مرتبہ مولوی سید یحییٰ حسن صاحب ندوی وعبد الرحمٰن صاحب عثمانی، تقطیع ۲۶×۲۰/۴ ضخامت ۸ صفحات، کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت سالانہ للعہ ششماہی ۶ ؍ فی پرچہ - ؍ پتہ مراد پور بانکی پور پٹنہ،

الہلال حال ہی میں پٹنہ سے طلوع ہوا ہے، عام اخباری زبان میں اس کا مقصد مذہب و ملت اور ملک وقوم کی خدمت ہے، ابھی اس کے چند ہی نمبر نکلے ہیں، ان سے اندازہ ہوتا ہے، کہ اگر یہ موسمی نہ ہوا، تو بہار کے اخبارات میں اچھی جگہ حاصل کرلے گا، لیکن رنگ بالکل موسمی معلوم ہوتا ہے،

مجاہد (ہفتہ میں دوبار) مرتبہ شاہد احمد زماں صاحب تقطیع ۲۶×۲۰/۴ ضخامت متعین نہیں معلوم ہوتی، کم سے کم چار صفحات ہوتے ہیں، سالانہ قیمت مرقوم نہیں، مقامی ارہے، پتہ گلی نمبر ۲۰، مکان نمبر ۲۲۱، رنگون،

ہندوستانی کے مرکز سے دور رنگون میں ہندوستانی زبان کا خاصہ مذاق ہے، اور یہاں سے متعدد اچھے اخبارات ورسائل نکلتے ہیں، حال میں مجاہد صف آرا ہوا ہے، ظاہری اور معنوی

معنوی لحاظ سے قدر افزائی کا مستحق ہے اخباری خبروں کے علاوہ کبھی کبھی مفید مضامین بھی نظر آتے ہیں، امید ہے کہ مجاہد بر ہما میں مسلمانوں کی مفید خدمت انجام دیگا،

علیگ (ہفتہ وار) مرتبہ مولینا سعید انصاری و عیاذ احمد صاحب انصاری (علیگ) تقطیع $\frac{22\times18}{4}$ ضخامت ۸ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت اوسط، قیمت سالانہ مقامی عہ بیرونجات کے لئے عہ

پتہ:۔ دفتر علیگ، علی گڈھ،

علیگ برادری کے لئے ایک ایسے سنجیدہ اخبار کی ضرورت تھی، جو ایک طرف انہیں رشتۂ اتحاد و اتفاق کا وسیلہ ہو، اور دوسری طرف ارباب مسلم یونیورسٹی کے کانون تک اپنی آواز پہنچا سکے، اور ان کو موجودہ ضروریات کے مطابق صحیح مشورہ دیسکے، علیگ کے افتتاحیہ سے معلوم ہوتا ہے، کہ وہ مسلمانوں کی اس واحد درسگاہ کو اسکی قدیم روایات اور پرانے ڈھرے سے بلند اور مسلمانوں کے موجودہ مقتضیات کے مطابق دیکھنا چاہتا ہے، اگرچہ یہ اخبار بقامت کہتر ہے، لیکن بقیمت بہتر ہے، امید ہو کہ مولینا سعید انصاری کے ہاتھوں علیگ برادری اور مسلم یونیورسٹی دونوں کی مفید خدمت انجام دے گا،

مومن گزٹ (ہفتہ وار) مرتبہ مولوی ابو عمر زکریا صاحب بھاگلپوری، تقطیع $\frac{22\times29}{4}$ ضخامت ۱۶ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت اوسط، قیمت سالانہ سے ششماہی، عہ ۱۲/

پتہ:۔ مشن روڈ، کانپور،

مومن گزٹ آل انڈیا مومن کانفرنس کا آرگن ہے، اس کے مقاصد اس کے انتساب سے ظاہر ہیں، ان مقاصد کے ساتھ وہ اپنے ناظرین کے لئے ضروری سیاسی خبروں کا خلاصہ اور عام معلومات اور دلچسپی کے لئے مفید مذہبی اور تاریخی مضامین بھی پیش کرتا ہے،

(م)

مطبوعات جدیدہ

خاتمِ سلیمانی، مولفہ جناب مولینا شاہ غلام حسنین صاحب ندوی، تقطیع اوسط، ضخامت ۵۲۰ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت بہتر، قیمت دو روپیہ، علاوہ محصولڈاک پتہ خانقاہ سلیمانیہ، پھلواری شریف، پٹنہ،

دورِ گذشتہ کے علماء میں مولینا شاہ سلیمان صاحب پھلواروی رحمۃ اللہ علیہ کی ذات بڑی جامع الحیثیات اور اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ سے منفرد و شان رکھتی تھی، ان کی ساری زندگی ارشاد و ہدایت اور ملک و ملت کی خدمت میں گذری، اس لئے ان کی سوانح عمری کی بڑی ضرورت تھی، اس فرض کو ان کے لائق فرزند مولینا شاہ غلام حسنین صاحب ندوی نے پورا کیا، اور خاتم سلیمانی کے نام سے ان کی مبسوط سوانح عمری مرتب کی، جو چار حصوں پر منقسم ہے، پہلے حصہ میں شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے ذاتی حالات، عادات و خصائل، اشغالِ زندگی، اور ملکی و مذہبی خدمات کا ذکر ہے، اگرچہ آپ کا اصل کام ارشاد و ہدایت تھا، لیکن آپ کے ہمہ گیر جذبۂ خدمت کی وجہ سے ہندوستان کی کوئی اسلامی تحریک ایسی نہ تھی جسمیں آپکا دست اعانت شامل نہ ہو، علی گڈہ کالج، ایجوکیشنل کانفرنس، مسلم لیگ، ندوۃ العلماء، مسلم یونیورسٹی، طبی کانفرنس، خدام کعبہ، موید الاسلام، خدام الحرمین، بزم صوفیہ، انجمن حمایت اسلام لاہور، غرض اُس وقت سے لیکر آپ کی وفات تک، کوئی اسلامی تحریک اور کوئی ادارہ ایسا نہ تھا، جو آپ کے فیض سے محروم رہا ہو، اور یہ فیض ہندوستان کے تمام حصون میں یکساں جاری تھا، دوسرے حصہ میں مختلف انجمنوں اور جماعتوں کے ان تعزیتی جلسوں کی روداد اور اخباروں کے تعزیتی نوٹس ہیں جو آپ کی وفات پر لکھے گئے، تیسرے حصہ میں اشخاص کے تعزیتی خطوط

کی نقلیں ہیں، چوتھے حصہ میں آپ کے ملفوظات یعنی وہ مختلف تاریخی واقعات، مذہبی عقائد و خیالات صوفیانہ لطائف و نکات اور دوسرے مختلف النوع معلومات ہیں جو آپ کی زبان سے نکلے، اس کتاب سے شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی جامع حیثیات اور مقبول شخصیت کا پورا اندازہ ہوتا ہے، کہ آپ کس طرح مختلف بلکہ متضاد جماعتوں میں یکساں مقبول تھے، امید ہے، کہ آپ کی مقبولیت کی طرح آپ کے سوانح حیات کو بھی قبولِ عام حاصل ہوگا،

سبل السلام مولفہ جناب مولینا محب النبی مصطفےٰ احسن صاحب علوی ایم اے تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۹۱ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت معمولی، پتہ:- خیالی گنج لکھنؤ،

کاکوری کے خانوادۂ تصوف کے ایک بزرگ نے حضرت علی مرتضیٰؓ کی ایک مبسوط سوانحعمری لکھی ہے، جس کا پہلا حصہ احسن الانتخاب کئی سال ہوئے شائع ہوا تھا، اس کتاب میں حضرت علیؓ کے مناقب بیان کرنے اور ان کی محبت میں اتنے غلو سے کام لیا گیا ہے، کہ کتاب مذکور مناقبِ علیؓ کے بجائے مثالبِ صحابہ بنگئی ہو حتی کہ حضرات شیخین بھی تفضیلیت کی زد سے نہیں بچ سکے، اور امیر معاویہؓ پر تو کوئی تبرا باقی نہیں ہے، چونکہ یہ کتاب ایک مدعی تسنن کے قلم سے نکلی تھی، اس لئے مولینا مصطفےٰ احسن صاحب نے اسکے گمراہ کن عقائد و خیالات کی تردید میں فصل الخطاب لکھی، اس کے جواب میں رفع الحجاب لکھی گئی، اب مولانا مصطفےٰ احسن صاحب نے اس کے جواب میں سبل السلام لکھی ہے، اس سلسلہ کی کتابوں میں سبل السلام کے علاوہ اور کوئی کتاب ہماری نظر سے نہیں گذری ہے، لیکن احسن الانتخاب کی شہرت حد تواتر تک پہونچ چکی ہے، پھر سبل السلام میں اس کے جو اقتباسات دیے گئے ہیں، نیز اس کی تنقید اور جوابات سے معلوم ہوتا ہے، کہ احسن الانتخاب اور رفع الحجاب کا معیار اور تحقیقی پایہ نہایت پست ہے، اصول نقد کو بالکل فراموش کر دیا گیا ہے، روایت و درایت کا مطلق کوئی لحاظ نہیں رکھا گیا ہے، اپنے منشا و مقصد کے مطابق جو رطب و یابس مل گیا ہے، اسے بلا تامل قبول کر لیا گیا ہے، بعض نہایت ادنیٰ درجہ کی کتابوں سے

کتابوں سے استناد کیا گیا ہے، ان اصولی نقائص کے علاوہ جا بجا تدلیس تلبیس، غلط منقولات اور الحاق اور اضافون سے بھی کام لیا گیا ہے، سبل السلام میں ان تمام نقائص کی پردہ دری کی گئی ہے، اور غلط یا کم از کم گمراہ کن بیانات کو صحیح روشنی میں پیش کیا گیا ہے، جن لوگوں نے اس سلسلہ کی کوئی کتاب دیکھی ہے، ان کے لئے سبل السلام دیکھنا ضروری ہے،

مختصر تاریخ ادب اردو، مولفہ سید اعجاز حسین صاحب اعجاز ایم اے لکچرار اردو الہ آباد یونیورسٹی، تقطیع چھوٹی ضخامت ۴۰۰ صفحات، کاغذ سپید، کتابت و طباعت روشن قیمت عہ/ غالباً مصنف سے اوپر کے پتہ سے ملیگی،

ہندوستانی زبان کی تاریخ اور اس کے ادب کی تنقید پر اب بہت کتابیں ہو گئی ہین، اور نئی تحقیقاتوں اور نئے اکتشافات سے بہت سے نئے معلومات کا اضافہ ہو گیا ہے جو پرانی کتابوں میں نہیں مل سکتے، لیکن اب تک جو کتابیں لکھی گئی ہیں، وہ یا مطول ہیں یا کسی خاص پہلو سے متعلق ہیں، "مختصر تاریخ" میں جیسا کہ اس کے نام سے ظاہر ہے، اختصار اور جامعیت کے ساتھ ان سب کا خلاصہ کر لیا گیا ہے، اور دورِ حاضر کے متعدد ممتاز شعرا اور ادیبوں کے حالات اور ان کے ادب کے نمونے بڑھائے گئے ہین، جو دوسری کتابوں مین نہیں مل سکتے، انتخاب میں بڑی فیاضی اور فراخدلی، اور تنقید میں بڑی رواداری اور وسیع المشربی سے کام لیا گیا ہے، لوگوں کی دلآزاری کا خصوصیت کیساتھ زیادہ لحاظ رکھا گیا ہے، یہ کتاب کالج کے طلبہ کے لئے خاص طور سے زیادہ مفید ہے، اس سے اجمالی طور سے ہندوستانی زبان کی پوری تاریخ ذہن میں آجاتی ہے،

تمدنِ عتیق، مولفہ جناب ابو ظفر عبد الواحد صاحب ایم اے، و محمد عطاء الرحمٰن صاحب بی اے، اساتذہ شعبہ کلیہ سٹی کالج حیدر آباد دکن، تقطیع چھوٹی، ضخامت ۲۲۴ صفحات، کاغذ کتابت و طباعت نہایت عمدہ، قیمت مصور سے ۲/ غیر مصور عہ/ پتہ منیجر بک ڈپو سٹی کالج حیدر آباد دکن،

ہماری زبان میں عہدِ عتیق کی تاریخ پر بہت کم کتابیں ہیں، تمدنِ عتیق میں لائق مؤلفین نے آغازِ آفرینش سے لیکر بخت نصر تک کے مختصر حالات جمع کر دیئے ہیں، ابتدائی ابواب میں تخلیقِ عالم کی سرگذشت ہے، کہ کس طرح زمین بنی، اور پھر بتدریج اس پر کیسے زندگی، اور پھر انسانی زندگی کا ظہور ہوا، پھر قدیم وجدید، عہد حجری کے انسانوں کے حالات، ان میں تخیلات وعقائد کی ابتدا اور تحریر کا آغاز ہے، پھر تمدن کے ابتدائی دوروں میں ہندوستان سامرستان اور مصر کے حالات، اور یہاں کے باشندوں کے مذہبی اور ادبی رجحانات، ان کے علوم وفنون طبقاتی نظام کاروباری زندگی، قوانین اور اقتدارِ شاہی کی تاریخ ہے، پھر مصر قدیم کی تاریخ، اور قدیم آشوری کلدانی اور عبرانی حکومتوں کے عروج وزوال، سیاسی انقلابات اور جنگ وجدال کی سرگذشت ہے، گویہ کتاب اپنے موضوع کے لحاظ سے بہت مختصر ہے تاہم اس کے پڑھنے سے سرسری اور اجمالی حالات ذہن میں آجاتے ہیں، زبان کہیں کہیں کھٹکتی ہے،

البرهان للتحقیق الاظهر	مؤلفہ جناب غلام یٰسین خاں صاحب قائم خانی
فی فضائل الصدّیق والعمر	جمعدار رسالہ آصفجاہی، تقطیع بڑی ضخامت

۹۰ صفحات کاغذ کتابت وطباعت بہتر، قیمت معلوم نہیں، پتہ محلہ کھو کھرواڑی اندرون بلدہ حیدرآباد دکن،

مؤلف نے اس رسالہ میں اہلِ سنت کی حدیث کی کتابوں سے شیخین کی فضیلت میں اہلِ بیت کرام کی روایات اور شیعوں کی معتبر کتابوں اور ان کے ائمہ اور اکابر کے اقوال سے صحابۂ کرام اور حضرات شیخین کے فضائل جمع کئے ہیں ہر روایت کے ساتھ اس کا ترجمہ بھی دیدیا گیا ہے ترجمہ کی زبان پرانی ہے، البتہ والعمر کی عربی ترکیب نئی ہے،

(م)

سیر الصحابہ رض

سیرۃ النبی کے بعد مسلمانوں کے لئے جن مقدس ہستیوں کے کارنامے اور سوانح حیات مشعل راہ ہو سکتے ہیں، وہ حضرات صحابۂ کرام ہیں، دار المصنفین نے پندرہ برس کی جانفشانی وکوشش سے اس عظیم الشان کام کو انجام دیا، اور اردو میں صحابۂ کرام کے حالات وسوانح اور اخلاق وحسنات کی دس ضخیم جلدیں احادیث وسیر کے ہزاروں صفحات سے چنکر مرتب کیں، اور بہ حسن وخوبی شائع کیں، ضرورت ہے کہ حق طلب اور ہدایت ورہنمائی کے جویاں مسلمان ان صحیفوں کو پڑھیں، اور اس شمع ہدایت کی روشنی میں چلیں جو آج سے ساڑھے تیرہ سو برس پہلے ان کے سامنے جلائی گئی تھی، ان جلدوں کی علٰحدہ علٰحدہ قیمتیں حسب ذیل ہیں، جن کا مجموعہ ۲۳ رہوتا ہے، لیکن پورے سٹ کے خریدار کو صرف ۲۰ر میں یہ دس جلدیں کامل نذر کیجاتی ہیں، پیکنگ ذمہ دار المصنفین، محصول ذمہ خریدار،

جلد اوّل، خلفائے راشدینؓ،	ہے ر	**جلد ششم**، سیر الصحابہؓ ششم،	ے ر
جلد دوم، مہاجرینؓ اوّل،	للعہ ر	**جلد ہفتم**، سیر الصحابہؓ ہفتم،	ے ر
جلد سوم، مہاجرینؓ دوم،	ہے ر	**جلد ہشتم**، سیر الصحابیاتؓ،	عہ ر
جلد چہارم سیر الانصارؓ اوّل،	ہے ر	**جلد نہم**، اسوۂ صحابہؓ اوّل،	ہے ر
جلد پنجم، سیر الانصارؓ دوم،	عہ ر	**جلد دہم**، اسوۂ صحابہؓ دوم،	للعہ ر

منیجر دار المصنفین اعظم گڈھ